ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیت 188-190)

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ‌ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾

''جولوگ اپنے (ناپسند) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں ہیں اُن کے لئے چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے اُن کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے رستگار ہو جائیں گے۔ اور انہیں درد دینے والا عذاب ہوگا۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔''

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ کوئی نیکی کر لیں یا مال خرچ کریں تو اس پر بڑا اتراتے ہیں اور اینٹھتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے۔ وہ اپنے ان اچھے کاموں کا لوگوں میں چرچا کرتے اور داد وصول کرتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر کچھ ایسے بھی ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے کئے ہی نہیں ان پر بھی اُن کی تعریف کی جائے۔ یہ خوشامد پسند قسم کے لوگ اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی خواہش رکھنے والے ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں سپاس نامے بھی اُسی کی مثال ہیں کہ کسی صاحب کو بلا لیا' صدارت کروائی اور اُن کے سامنے سپاس نامہ پڑھ دیا' جس میں اُن صاحب کی تعریف کے پُل باندھ دیئے۔ جو کام انہوں نے خواب وخیال میں بھی نہیں کئے وہ اُن کے کھاتے میں ڈال دیئے۔ وہ صاحب سنتے ہیں اور اس چاپلوسی کو پسند کرتے اور خوش ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ آپ اُن کے بارے میں ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے (کیونکہ دنیا میں اُن کی تعریف ہو رہی ہے) بلکہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو خود پسندی' ریاکاری' نمود ونمائش اور جاہ طلبی پسند نہیں۔ ایسے لوگوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو بس اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں سورۃ آل عمران کا آخری یعنی بیسواں رکوع شروع ہو رہا ہے۔ اس رکوع کے پہلے الفاظ وہی ہیں جو سورۃ البقرہ کے بیسویں رکوع کے آغاز میں آئے ہیں۔ یعنی اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ...... الخ۔ آل عمران کا یہ رکوع قرآن مجید کے عظیم ترین مقامات میں سے ہے۔ اس کی پہلی چھ آیات کے بارے میں روایت ہے کہ جس رات یہ نازل ہوئیں اس رات رسول اللہ ﷺ پر ہر لحہ رقت طاری رہی۔ آپ کھڑے' بیٹھے' لیٹے روتے رہے۔ جب حضرت بلالؓ صبح کے وقت نماز فجر کے لئے جگانے آئے تو آپؐ کو اس حال میں دیکھ کر پوچھنے لگے کہ آپؐ پر یہ رقت کیوں طاری ہے۔ آپؐ نے فرمایا: آج رات جو آیات مجھ پر نازل ہوئیں یہ رقت اُن کے سبب مجھ پر طاری ہوئی۔

یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق' میں نیز رات اور دن کے الٹ پھیر میں ہوش مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ پر ختم ہوئی تھی۔ یعنی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور یہاں ''اولوالالباب'' کے الفاظ ہیں۔ یہ پہلا قدم ہے ہدایت کی طرف کہ کائنات ارضی و سماوی کا بغور مشاہدہ کرو ؎

کھول آنکھ زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یہ سب آیاتِ الٰہیہ ہیں' ان کو دیکھو اور اللہ کی معرفت حاصل کرو۔ پھر اگلا قدم اللہ کی یاد میں لگ جانا ہے۔

فرمانِ نبویؐ

آخرت میں اللہ کی رحمت

چوہدری رحمت اللہ بٹر

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ : ((اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحۡمَةٍ فَمِنۡهَا رَحۡمَةٌ بِهَا يَتَرَاحَمُ الۡخَلۡقُ بَيۡنَهُمۡ وَتِسۡعَةٌ وَّتِسۡعُوۡنَ لِيَوۡمِ الۡقِيَامَةِ)) (متفق علیه)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی رحمت کے ایک سو حصے ہیں' اس کی رحمت کے صرف ایک حصہ کا کرشمہ ہے کہ خلقِ خدا ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے (اور اللہ کی رحمت کے) ننانوے حصوں کا ظہور قیامت کے دن ہوگا''۔

جنوں' انسانوں' چوپایوں' پرندوں اور جنگلی جانوروں کی زندگی پر ذرا غور کرو' ماں کو اپنی اولاد سے کتنا پیار ہے! چڑیا اپنے نوزائیدہ بچے کے منہ میں خوراک کیوں ڈالتی ہے؟ مصیبت زدہ اور مظلوم کی ہمدردی پر انسان کیوں مجبور ہے؟ دوستوں اور رشتہ داروں کی موت پر آنکھیں اشکبار کیوں ہو جاتی ہیں؟ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہمدردی' غم گساری' احسان اور محبت کی کارسازیاں رحمان کی رحمت کا سایہ ہیں۔ یہ اللہ کی رحمت کا پرتو اور اس کا صرف ایک حصہ ہے' اس کی رحمت کے ننانوے حصوں کو قیامت کے دن ظاہر ہونا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

شمارہ		جلد
12	7 تا 13 اپریل 2005ء 27 صفر المظفر تا 3 ربیع الاول 1426ھ	14

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا

فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 250 روپے

بیرون پاکستان

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

چیک' منی آرڈر یا پے آرڈر

''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا تمام مضمون نگار حضرات کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

ایم ایم اے کی ہڑتال اور انا کی قربانی

متحدہ مجلس عمل نے جب ایک جلسہ کے دوران اچانک 2 اپریل کی ملک گیر ہڑتال اور مکمل پہیہ جام کا اعلان کیا تو بہت سے دانشوروں سمیت عام لوگوں کا بھی خیال تھا کہ یہ ہڑتال بری طرح ناکام ہوگی۔ جہاں تک پہیہ جام کا تعلق ہے متحدہ مجلس عمل کو اس میں واقعتاً ناکامی ہوئی' البتہ بڑی مارکیٹوں کے بند ہونے کے حوالہ سے ہڑتال خاصی کامیاب رہی۔ ہڑتال کا لفظ غلط العام ہے' اصل لفظ ہٹ تال ہے جس کا مطلب ہے ہرہٹی (دکان) پر تالا پڑ گیا ہے۔ قبل از تقسیم ہندوستان میں غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف عوام کے غم وغصہ کے اظہار کا یہ بڑا موثر ذریعہ تھا۔ ہمارے اطوار میں چونکہ آزادی کے بعد کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی لہٰذا سیاست کار سیکولر ہوں یا مذہبی مزاج کے حامل ہوں' اپنے حریف کے خلاف وہی پرانے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ اپوزیشن ہڑتالوں اور پہیہ جام سے حکومتیں گرانے کی کوشش کرتی ہے اور حکومت انتقامی کارروائیوں اور جوڑ توڑ سے اپوزیشن کو بے بس کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ متحدہ مجلس عمل کے حوالہ سے ہمارا اصل دکھ یہ ہے کہ وہ پٹری سے اتر گئی ہے۔ وقت کے دریا میں اٹھنے والی ہر لہر پر سوار ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس لہر کا رخ کس طرف ہے اور ایم ایم اے کا حقیقی ہدف کیا ہونا چاہئے۔ اکتوبر 2002ء کے انتخابات میں ایم ایم اے کو جو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی تھی اس سے یہ امید بندھی تھی کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جب ایم ایم اے والے اپنی قوت مجتمع کر کے یکسوئی کے ساتھ نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز کرنے کی جدوجہد کریں گے تو اسلام مخالف قوتوں کو مکمل طور پر شکست فاش نہ بھی دی جا سکی تب بھی انہیں کسی قدر پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ایم ایم اے پہلے LFO کے چکر میں ڈیسک بجاتی رہی اور پارلیمنٹ مچھلی منڈی بنی رہی اور ہم جیسوں کی درخواست پر کہ حضور اپنی توجہ اصل کام پر مرکوز کریں' یہ بتایا جاتا کہ LFO کی موجودگی میں اسلامی نظام کی طرف پیش رفت ناممکن ہے۔ نفاذِ اسلام میں اصل رکاوٹ LFO ہے۔ ایم ایم اے کو یاد ہو یا نہ یاد ہو لیکن عوام کو یقیناً یاد ہوگا کہ کبھی کہا گیا تھا ''ایوب خان جاوے ہی جاوے اور اسلام آوے ہی آوے''۔ یہی کچھ ذوالفقار بھٹو اور بے نظیر کے بارے میں کہا گیا۔ یہ سب چلے گئے لیکن اسلام کو نہ آنا تھا نہ آیا۔ ہم تمام مذہبی سیاسی جماعتوں سے دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ ایک نگاہ بازگشت اپنی تاریخ پر ڈالیں۔ کتنے جلسے اور جلوس کیے گئے' کتنی ہڑتالیں' ٹرین مارچ اور ملین مارچ کیے گئے لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ معاشرہ بگڑتا چلا گیا' اسلامی اقدار کی پاسبانی تو بڑی دور کی بات ہے' عام انسانی اخلاقی قدریں بھی پامال ہو گئیں۔ رہی بات حکمرانوں کو راہ راست پر لانے کی تو بھٹو کے سوشلزم کے خلاف جہاد کرتے کرتے ہم پر مشرف کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی مسلط ہو گئی جس میں نیکری لڑکیوں کو سرعام دوڑنے کی اجازت ہے۔ البتہ مردوں کو غضِ بصر کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ ہم ایم ایم اے کے قائدین سے خصوصاً قاضی حسین احمد سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ غور فرمائیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اب ایک ہڑتال کروانے کے لئے بھی انہیں خوردنی اشیاء اور پٹرول کی مہنگائی کے کارڈ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مہنگائی جیسے عوامی ایشو پر ہڑتال کرانے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سیاسی دینی قیادت نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اسلام اور ایمان کے نام پر لوگوں کو متحرک نہیں کر سکتے۔ یہ اعتماد کیوں ختم ہوا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ دینی سیاسی جماعتیں ایک غلط موڑ مڑ گئی ہیں اور اب وہ جتنا چلیں گی' منزل سے دور ہوتی چلی جائیں گی۔

ہماری رائے میں یہ انصاف کا تقاضا ہے' یہ پندرہ کروڑ انسانوں کے مقدر کا سوال ہے' یہ خود قائدین کی آخرت میں فلاح وکامیابی کا سوال ہے کہ اس مملکت خداداد پاکستان میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم ہو۔ تجربے نے بتایا ہے کہ سابقہ انداز کار سے نہ صرف یہ کہ کوئی خیر پیدا نہیں ہو سکا بلکہ عام مسلمان کو مزید الجھا دیا گیا ہے۔ اسے اسلام اور اسلام آباد میں فرق کرنا بڑا دشوار ہو رہا ہے۔ تمام مذہبی جماعتوں سے ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور غور وفکر کریں کہ کہاں غلطی کا ارتکاب ہوا ہے اور اس کی اصلاح کس طرح ممکن ہے۔ اگر نیت خالص ہوئی تو کوئی وجہ نہیں کہ صراط مستقیم بھائی نہ دے۔ ہماری رائے میں اصل امتحان پھر شروع ہوگا۔ کیا ہم ذاتی اور جماعتی مفادات قربان کر سکتے ہیں؟ کیا ہم مراعات اور پروٹوکول سے دستبردار ہو سکتے ہیں' کیا ہم اپنی سرداریاں کھو دینے کے متحمل ہو سکتے ہیں؟ اور اہم ترین بات یہ کہ کیا ہم اپنی انا قربان کر سکتے ہیں کہ یہ تسلیم کر لیں کہ ماضی میں ہمارا رخ غلط تھا' اور نفاذ اسلام کے لئے کسی چھوٹے اور کمتر کا تجویز کردہ منہج بھی اگر سمجھ آ جائے تو بلا چون وچرا اپنا لیا جائے۔ دین محمدی سے اخلاص کا تقاضا تو یہی ہے۔ وگرنہ آپ بظاہر بڑی کامیاب ہڑتالیں کرتے رہیں گے اور معاشرہ منکر کو اپنانے میں اور دلیر ہو جائے گا۔ ہم آج مشرف کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا رونا رو رہے ہیں' کل کلاں ہم یہ کہنے پر مجبور نہ ہو جائیں کہ وہ بھی غنیمت تھا۔

''بالِ جبریل'' کی ساتویں غزل

دگرگوں ہے جہاں، تاروں کی گردش تیز ہے ساقی!
دل ہر ذرہ میں، غوغائے رستاخیز ہے ساقی!
متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی!
وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!
حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی!
نہ اُٹھا پھر کوئی رومیؔ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گِلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی!
نہیں ہے نا اُمید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!
فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی، دولتِ پرویز ہے ساقی!

تعارف: علامہ اقبال کے دوسرے مجموعے ''بالِ جبریل'' (اُردو) کی ابتدا میں سولہ غزلیں شامل ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں غزلیں عملاً ایک طرح کے تسلسل کی آئینہ دار ہیں۔ ان دونوں غزلوں کو اقبال کی شاہکار طویل نظم ''ساقی نامہ'' کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اقبال نے غزل کو نظم سے قریب لانے کے ضمن میں جو فنی تجربے کیے ہیں، یہ دونوں غزلیں بھی اسی تجربے کا شاہکار ہیں۔ آٹھویں غزل کا مطلع آپ کو یاد آ گیا ہوگا:

لا پھر اِک بار وہی بادہ و جام اے ساقی!
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی!

ساتویں غزل میں اقبال نے اُس عالمی انتشار وافتراق کی جانب اشارہ کیا ہے، جو مسلم اُمّہ کو درپیش ہے۔ اُن کے عہد میں بھی تھا اور ہمارے موجودہ عہد میں بھی ہے۔ آج سے پون صدی پہلے بھی، علامہ کے بقول، عالمی انتشار میں ملّتِ اسلامیہ کی مخالف اور دشمن طاقتوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کی تھیں، اور آج بھی انہی اسلام دشمن طاقتوں نے پورا عالمی ماحول قیامت خیز بنا رکھا ہے۔

(1) غوغائے رستاخیز: قیامت کے دن جیسا شور وغوغا۔ اقبال کہتے ہیں، پوری دنیا میں انقلاب آ گیا ہے۔ پورا جہان دگرگوں ہو گیا ہے۔ ستاروں کی گردش تیز ہوگئی ہے۔ ہر ذرّے میں روزِ قیامت جیسا شور وغوغا برپا ہے۔

(2) اللہ والوں کے پاس دین اور عقل کا جو سرمایہ تھا، وہ لٹ گیا۔ کوئی شے اپنی اصلیت پر باقی نہیں رہی۔ مسلمان اب دین، عقل، عمل اور ہنر سے بالکل خالی ہو گئے۔ اے ساقی! مسلمانوں پر یہ زوال کس کافر ادا کے غمزوں کا کرشمہ ہے؟

(3) مسلمان اُسی پرانی بیماری میں مبتلا ہیں، یعنی اُن کے دل ایمان پر پختہ نہیں رہے۔ وہ راہِ حق سے ڈگمگا رہے ہیں۔ اے ساقی! اس بیماری کا علاج وہی ایمان پرور آبِ حیات ہے جسے حلق سے اتارتے ہی قلب وروح پر نشاط کی کیفیت چھا جائے۔ وہی دل کی کمزوری اور ناپختگی کو دور کر سکتا ہے۔

(4) اہلِ حرم، اہلِ کعبہ یعنی مسلمان کے دل میں آرزو کا سوز پیدا نہیں ہوتا۔ آہ! وہ عالی ہمتی اور بلند حوصلگی سے خالی ہو گئے۔ اے ساقی! کیا تجھے اِس کا سبب معلوم ہے؟ سبب یہ ہے کہ تیرا ظہور اب تک حجاب آمیز ہے۔ تو بے پردہ جلوہ نہیں دکھاتا۔ تیرے حسن کی تجلیاں اگرچہ آنکھوں کو متوّر کرتی رہتی ہیں، لیکن ابھی تک ان میں حجاب کا رنگ غالب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حجاب بالکل اٹھ جائے اور وہ مسلمانوں پر اپنی جلوہ نمائی کرے تو اُن کے دل میں بھی وہی ذوق وشوق، وہی آرزو وجذبہ پیدا ہو جائے تو ہمارے اسلاف کی خاص دولت تھی۔

(5) مثال کے طور پر ایران کی سرزمین بھی وہی ہے۔ اُس کی آب وہوا اور موسم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کا مشہور شہر تبریز بھی اپنی جگہ پر قائم ہے جو حضرت شمسؒ کا وطن ہے۔ لیکن اے ساقی! کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ سرزمینِ ایران سے پھر مولانا رومؒ جیسا کوئی شخص پیدا نہ ہوا، اس لئے کہ کوئی شمس تبریزی جیسا تربیت دینے والا موجود نہ رہا۔

(6) اقبال اپنی کھیتی سے مایوس اور نا اُمید نہیں جو بظاہر اس وقت ویران اور بنجر نظر آ رہی ہے۔ اگر اس کے لئے تھوڑی سی آبیاری کا انتظام ہو جائے تو کھیتی کی مٹی بہت زرخیز ہے اور یقیناً یہ بہت فصل خیز ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ مسلمانانِ عالم کی ظاہری حالت کچھ اچھی نہیں، لیکن مایوسی کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ مسلمانوں میں صلاحیت اور قابلیت کے جوہر موجود ہیں۔ حالات ذرا بھی موافق اور سازگار ہوں تو یہ دوبارہ عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔

(7) میں وہ فقیر ہوں جو راستے پر بیٹھا رہتا ہے اور آنے جانے والے سے کچھ دے دلا جاتے ہیں، لیکن اللہ کی رحمت دیکھیے کہ اس نے مجھے بادشاہی کے بھید بتا دیئے اور میرے نغموں یعنی کلام کو وہ درجہ عطا ہوا کہ اگر دولت کی شکل میں اس کی قیمت کا اندازہ کیا جائے تو ایران کے مشہور بادشاہ خسرو پرویز کے تمام خزانے اس پر نچھاور کیے جاسکتے ہیں۔

حقیقتِ مطلقہ اور انسان کے درمیان حائل حجابات

بحوالہ سورۂ قٓ.....(4)

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 18 مارچ 2005ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

سورۂ قٓ کی بیس آیات کا مطالعہ مکمل ہو چکا ہے۔ آج ہم اکیسویں آیت سے آگے مطالعہ کریں گے۔ اس سے متصلاً قبل آیات میں انسان کی موت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب انسان پر موت کی بے ہوشی طاری ہوگی تو اس پر سب حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ حدیث کے الفاظ میں جو شخص مر گیا اس کی قیامت اسی وقت سے شروع ہو گئی لیکن فرمایا گیا کہ بالآخر قیامت بالفعل قائم ہوگی جس کی وعید ہر نبی اور رسول نے سنائی ہے۔ اس دن ہر انسان کو اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہ ہونا ہوگا۔ چنانچہ اگلی آیات میں میدان حشر کی نقشہ کشی کی گئی ہے کہ وہاں کیا حالات پیش آئیں گے۔ فرمایا: ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ٥﴾ (21) ''اور ہر شخص (ہمارے سامنے) آئے گا (اس طور کہ) ایک فرشتے اسے چلانے والا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اس کے عملوں کی گواہی دینے والا''۔ اس مقام پر ایک منفرد انداز میں قیامت کے دن کی ہولناکی بیان کی گئی ہے۔ اس روز ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے ایک فرشتہ اس کو دھکیلے گا اور اسے سیدھا میدانِ حشر میں لے جائے گا۔ اب اِدھر اُدھر نہیں جا سکتے' کھسک نہیں سکتے' خواہی نہ خواہی وہاں پیشی ہے۔ دوسرا فرشتہ وہ ہوگا جس کے ہاتھ میں اعمال نامہ ہوگا۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ وہی کراماً کاتبین ہوں گے جو ہر شخص پر اس دنیا میں مامور کیے گئے ہیں۔ میدانِ حشر میں ان میں سے ایک اس کو دھکیل رہا ہوگا اور ایک اس کا اعمال نامہ تھامے ہوئے ہوگا۔ اس طرح اللہ کی عدالت میں انہیں پیش کیا جائے گا: ﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ یہ آیت بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس دن کے بارے میں تم غفلت میں رہے۔ تم نے توجہ ہی نہیں کی۔ بتایا بھی گیا تو سنی ان سنی کر دی۔ بار بار یاد دلایا گیا تو تم نے چڑ کر کہا کہ بند کرو یہ وعظ' ہمیں نہیں سننا' ہمیں آخرت سے مت ڈراؤ' خواہ مخواہ کا ڈراوا ہے۔ اگرچہ اُس وقت تمہیں آخرت نظر نہیں آ رہی تھی۔ نہ جنت تمہارے سامنے تھی نہ جہنم۔ دنیا میں تمہارے اور ایمانی حقائق کے درمیان کچھ حجابات حائل تھے۔ البتہ تمہیں ان حالات کے بارے میں یقینی خبر دی جا رہی تھی۔ ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ﴾ ''ہم نے تمہارے اوپر سے پردہ اٹھا دیا''۔ ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ٥﴾ (22) ''تو آج تمہاری نگاہ بہت تیز ہے''۔ اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو جنت کو بھی' جہنم کو بھی' اب حقیقت کھل گئی۔

یہ بہت اہم آیت ہے اس حوالے سے کہ دنیا میں انسان کچھ Limitations کے ساتھ آتا ہے' اسے کئی پردوں میں رکھا گیا ہے۔ یعنی ہم غیب میں ہیں' وہ جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے وہ غیب میں نہیں ہے وہ تو اس کائنات کی سب سے نمایاں حقیقت ہے۔ اس دنیا میں انسان کو چونکہ امتحان کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا اسے پردے میں رکھا گیا ہے' اگر وہ اس دنیا میں حقیقت کو اپنی نگاہوں سے دیکھ لے۔ اللہ کا مشاہدہ کر لے۔ وہ غیبی حقائق جنہیں ہم ایمان کہتے ہیں یعنی عالم آخرۃ' جنت اور دوزخ' اگر وہ سب اس کی نگاہوں کے سامنے ہوں تو پھر امتحان کیسا؟ بہرحال ہمارے اوپر وہ پردے کون کون سے ہیں۔ یہ دنیا خود ایک بہت بڑا پردہ ہے۔ ہماری ظاہری نگاہ محدود ہے' حواس خمسہ جو ہمیں دیئے گئے ہیں یہ صرف مادی چیزوں کا ادراک کر سکتے ہیں' جو غیر مادی چیزیں ہیں یعنی اس کائنات کی جو ملکوتی حکومت یعنی Spiritual world ہے۔ اس تک ان کی رسائی نہیں۔ لہٰذا دنیا کی زیب و زینت اور چمک دمک ہمارے لئے ایک حجاب بن جاتی ہے۔ ہماری توجہ کا مرکز بس یہی دنیا بن جاتی ہے' ذہن بھی بس یہیں تک رہتا ہے' اس سے زیادہ نہیں۔ یہ ایک حجاب ہے۔ اسی لئے دنیا کو کہا گیا ہے (متاع الغرور) یہ دھوکے کا سامان ہے۔ موجودہ دجالی دور کا اصل معاملہ اور امتیاز یہ ہے کہ دنیا کی زیب و زینت' چمک دمک میں اس قدر بے پناہ اضافہ ہو گیا کہ انسان کے لئے ممکن ہی نہیں ہوگا کہ اس سے آگے بڑھ کر کائنات کے ابدی اور ماورائی حقائق کے بارے میں سوچ سکے ؏ ''نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی''۔ یہ دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ بہرحال دنیا خود ایک حجاب ہے۔ اس کے علاوہ ہماری نفسانی خواہشات کے پردے بھی ہیں جو ہماری آنکھوں کے آگے پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے تعصبات کا پردہ بھی بسا اوقات اتنا دبیز ہو جاتا ہے کہ قبولیتِ حق کے راستے میں پہاڑ کی طرح حائل ہو جاتا ہے۔ یہ پردے ہیں جن میں ہم گھرے ہوئے ہیں۔ بہرحال ہمیں حواس خمسہ کے حوالے سے جو صلاحیت دی گئی ہے وہ صرف اس ظاہری دنیا کو دیکھنے کی ہے۔ اس سے ماوراء (Beyond) اصل حقیقت کو دیکھنے سے ہماری یہ نگاہ قاصر ہے تو کیا وہ حقائق جو نظر نہیں آ رہے ان کا انکار کر دیا جائے۔ کیا اگر ایک نابینا شخص ان ٹھوس حقائق کا انکار کر دے جو ہر بینا شخص کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو تو کیا یہ طرز عمل درست قرار پائے گا؟ ہماری یہ ظاہری نگاہ بھی حقائق کو دیکھنے سے قاصر ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان ابدی حقائق کا انکار کر دیا جائے جو ظاہر کے پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔

اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اسی طرح اقبال ہی کا شعر ہے کیا خوب ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

اگر کوئی دل کی آنکھ کھول کر دیکھے تو وہ حقیقت تک پہنچے گا ورنہ ظاہری آنکھ کا معاملہ تو یہ ہے کہ جیسے جانوروں نے دیکھ لیا ویسے انسانوں نے دیکھ لیا۔ ان حواس خمسہ کے اوپر قناعت کہ بس یہی اصل حقیقت ہے جس کو ہم دیکھ رہے ہیں' یہ سب سے بڑا پردہ ہے۔

عقل بھی ایک پردہ اور حجاب ہے۔ اگرچہ یہ انسان کو حقیقت سے کچھ قریب کرتی ہے۔ اقبال نے اس کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

مثلاً عقل کہے گی کہ واقعتاً ہر شے جو ہے اس کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ یہ اتنی وسیع و عریض کائنات ہے' اتنا بڑا نظام ہے' اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہئے۔ اس طرح

وہ آپ کو قریب لے گئی' لیکن اس کی اپنی Limitations ہیں' یہ خود زمان و مکان کی پابند ہے۔ جب آپ سمجھیں کہ یہی واحد ذریعۂ علم ہے تو عقل آپ کو غلط راستے پر لگا دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اس ساری کائنات کو پیدا کرنے والا کوئی ہے تو پھر اس کو بھی پیدا کرنے والا کوئی ہوگا۔ اس اعتبار سے عقل حقیقت تک نہیں پہنچنے دیتی۔ لہٰذا اقبال نے رہنمائی کی۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

اگر عقل کو انسان مان لے کہ یہ فیصلہ کن شے ہے تو عقل خود ایک حجاب ہے۔ یہ حقیقت تک پہنچنے ہی نہیں دے گی۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ کون سی شے ہے جو انسان کو حقیقت تک پہنچا سکتی ہے۔ اگر عقل بھی نہیں' حواس خمسہ بھی نہیں' تو پھر انسان کیونکر اللہ کو مانے۔ اس کا جواب ہے کہ فطرتِ انسانی کے اندر اللہ کی معرفت' اللہ سے محبت کا جذبہ بالقوہ موجود ہے۔ ہماری فطرت اللہ کو پہچانتی ہے۔ اس کے سامنے جب آسمانی وحی آتی ہے اسے جب بتایا جاتا ہے کہ اللہ ہمارا خالق ہے' اس کی یہ صفات ہیں تو اندر سے گواہی اٹھتی ہے کہ ہاں حق یہ ہے۔ کائنات کی الجھی ہوئی ڈور کا سرا یہی ہے کہ ایک اللہ اس کائنات کا مالک و خالق ہے۔ عہد الست کے حوالے سے ہماری فطرت میں اس کی پہچان موجود ہے اور عقل ان حقائق کی طرف اشارے کرتی ہے۔ لہٰذا جب عقل اور فطرت حقیقت کی تلاش کا سفر مل کر طے کریں تب حقیقت تک پہنچیں گے۔ لیکن اگر فطرت کی گواہی کو نظر انداز کر کے عقل کے پیمانوں پر ابدی اور ماورائی حقائق کو پرکھنا چاہیں گے تو حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ یہی مسئلہ فلسفیوں کا رہا ہے۔ انہوں نے عقل کو بنیاد بنایا۔ اس کے لئے انہوں نے خود کچھ پیمانے اور اصول وضع کئے۔ لہٰذا منہ کی کھائی' سر پٹختے رہے لیکن حقیقت تک رسائی نہ ہو سکی۔ بہرکیف قرآن کا پیغام یہ ہے کہ دنیا میں اگر یہ لوگ آیات آفاقی اور آیاتِ قرآنی پر غور کرتے تو وہ تمام پردے ہٹ جاتے جو دنیا میں تمہارے اور حقیقت مطلقہ کے درمیان حائل تھے' حقیقت کھل جاتی۔ لیکن تم غفلت میں رہے۔ توجہ نہیں کی' لیکن آج جبکہ تمہاری دنیا کی آنکھ بند ہوئی تو تمام پردے ہٹا دیئے گئے۔ اب تمام حقیقتیں تمہارے سامنے کھل گئی ہیں لیکن حقیقت کو دیکھنے کا اب کوئی فائدہ نہیں اب تو اپنے انجام کو دیکھ لو۔

آگے فرمایا: ﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ o﴾ (23) ''کہے گا اس کا ساتھی یہ ہے (اس کا اعمال نامہ) میرے پاس''۔ میدان حشر کے نقشے کے حوالے سے یہ آیت ہم پڑھ چکے ہیں کہ ایک فرشتہ ہانکنے والا ہوگا اور ایک کے ہاتھ میں اعمال نامہ ہوگا' یہ دو فرشتے ہیں۔ دونوں اس کو لا کر اللہ کی عدالت میں پیش کر دیں گے۔ یہاں کسی تیسرے کا ذکر ہو رہا ہے' یہ کوئی اور فرشتہ ہے یا ان دونوں میں سے ہے۔ یہاں اس کے لئے قرین کا لفظ آیا ہے۔ بہت سے مفسرین نے اس کے بارے میں رائے دی ہے کہ یہ اصل میں ایک شیطان ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ نافرمانوں' سرکشوں' اللہ کے ناشکروں اور اللہ کی یاد سے غافل رہنے والوں پر مسلط کر دیتا ہے۔ اس کا ذکر ہے پچیسویں پارے میں سورۂ زخرف میں ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ o﴾ (36) ''جو رحمان کی یاد سے آنکھیں چرائے' اعراض کرے (بے توجہی کرے) ہم اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں اور پھر وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے''۔ اور وہ کرتا کیا ہے: ﴿وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ﴾ ''(یہ جو شیطان اس پر مسلط ہوا ہے) یہ اسے سیدھے راستے یعنی صراط مستقیم سے روکتا ہے''۔ اس کا یہی کام ہے۔ اس لئے جو صراط مستقیم پر آ گیا اس نے اپنی عاقبت سنوار لی جبکہ شیطان کا مشن ہے انسانوں کو صراط مستقیم سے برگشتہ کرنا' منحرف کرنا۔ یہی شیطان قیامت کے دن کہے گا کہ یہ حاضر ہے جو میری تحویل میں تھا۔ یہ صرف کافروں اور مشرکوں کی بات نہیں ہو رہی۔ بلکہ اللہ کو ماننے کے باوجود اگر اللہ کے احکام (قرآن سے' حدیث سے) بے اعتنائی ہے۔ مسئلوں کا حل اگر کہیں اور سے تلاش ہو رہا ہے تو یہ بھی اللہ کے ذکر سے بے توجہی اور اعراض کی ایک صورت ہے۔ ایک بندہ مومن کا کام یہ ہے کہ جو کوئی مسئلہ ہو' کوئی پریشانی یا الجھن ہو' اس کا حل قرآن و حدیث سے تلاش کرے۔ قرآن مجید اور سنت رسولؐ قیامت تک کے لئے گائیڈنس ہے۔ لیکن اگر اس سے رہنمائی لینے کے بجائے اپنی عقل کا استعمال کیا جا رہا ہو۔ دائیں بائیں سے مشورہ کر کے معاملات طے کئے جا رہے ہوں' فیصلے کئے جا رہے ہوں تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ ایک شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو اسے سیدھے راستے پر آنے نہیں دیتا۔ اس شیطان کے دو رول ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ دور کرتا ہے اسے صراط مستقیم سے اور دوسرا ﴿وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ o﴾ کہ وہ گمراہ انسان کو پٹی پڑھاتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے ہم ہی ہدایت پر ہیں۔ آج ہماری ذہنیت اسی رخ پر جا رہی ہے کہ قرآن سے رہنمائی نہیں لینی۔ قرآن کہتا رہے کہ جو شخص سود کو نہ چھوڑے اس کے خلاف اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے جنگ ہے' ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے لئے خود فیصلے کرتے ہیں۔ پھر یہی ہوتا ہے کہ اپنے فیصلے ہی درست نظر آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قوم کی کشتی کو ہم صحیح رخ پر لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے بیڑہ غرق کر رہے ہوتے ہیں اور اس شیطان کے زیر اثر ہونے کے باعث بظاہر اپنی دانست میں سمجھتے ہیں کہ ہم ہی راہ راست پر ہیں۔ یہاں اسی شیطان کا ذکر آیا کہ یہ بھی اس دن میدان حشر میں ہوگا اور کہے گا یہ وہ شخص ہے جس پر مجھے مسلط کیا گیا تھا اور یہ آج حاضر ہے۔ آگے فرمایا: ﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ o﴾ (24) ''(اس وقت حکم ہوگا کہ) جاؤ ہر اس شخص کو جہنم میں جھونک دو تم دونوں جو ناشکرا اور سرکش تھا''۔

اب ان فرشتوں کو حکم ہو رہا ہے کہ اسے جہنم میں جھونک دیا جائے۔ ناشکرا کون ہے۔ اللہ کی نعمت کی قدر نہ کرنے والا بھی ناشکرا ہے۔ نعمت ہدایت اللہ نے ہمیں دی اور ہم اس کو پیٹھ پیچھے پھینک کر فیصلے خود کرنے لگے۔ یہ ناشکرا پن ہے۔ اللہ اور اس کے دین کے دشمنوں کے ساتھ دوستی' دوستی کی پینگیں بڑھانا یہ ناشکرا پن ہے۔ اس دن جہنم میں جھونکا جائے گا ہر اس شخص کو جو ناشکرا ہے۔ اور دین سے دشمنی رکھتا ہے دین کی جڑوں کو کھود رہا ہے۔ آگے فرمایا: ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ o﴾ (25) ''ہر وہ شخص کہ جو مال میں بخل کرنے والا' حد سے بڑھنے والا' اور شک میں ڈالنے والا تھا''۔ ہر وہ شخص جو حد سے بڑھنے والا ہے کہ ذرا اختیار و اقتدار مل جائے تو فرعون بن بیٹھا' جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول اپنے لئے اختیار کر رکھا ہے اور وہ جو حق بات کو واضح کرنے کی بجائے حق کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والا۔ اب اس آئینے میں ہر شخص کو خود اپنی تصویر دیکھنی چاہئے کہ کہیں ہم تو ان لوگوں میں شامل نہیں۔ ﴿اَلَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (26) ''وہ شخص کہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود سمجھا''۔ یہ سب کے سب جہنم کے لائق ہیں۔ آج ہماری پوری قوم کا حال کیا ہے۔ ہمیں بھروسہ اللہ پر نہیں ہے' امریکہ پر ہے۔ ہم اللہ کی بھیجی ہوئی وحی پر یقین نہیں رکھتے۔ یا کم سے کم اسے قابل عمل نہیں سمجھتے۔ ہاں آسمان امریکہ سے نازل ہونے والی وحی ہمارے لئے حرف آخر ہے۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایک فرشتے جبرئیل کو متعین کیا تھا جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضور ﷺ تک تمام انبیاء اور رسولوں تک وحی لے کر آئے۔ یہاں نت نئے پیغمبر چلے آ رہے ہیں۔ کبھی کولن پاول تشریف لاتے ہیں کبھی رمزفیلڈ آ رہے ہیں' کبھی اپنی زیدان کے نمائندے بن کر تشریف لا رہے ہیں اور اب ایک نئی مصیبت نازل ہو چکی ہے۔ کونڈ ولیزا رائس کے نام سے۔ یہ کیا ہے احکامات' دھمکیاں' فرامین شاہی' خدا تو وہ ہے نا۔ ہم نے یہ سمجھا ہے کہ امریکہ کے فرامین کو ماننے کے سوا کوئی راستہ نہیں' کائنات میں کوئی طاقت نہیں جو ہمیں ان سے بچا سکے۔ لہٰذا انہی کے آستانے میں ہمیں اپنا سر جھکانا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں 'خدا سے نوامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

چنانچہ وزیراعظم شوکت عزیز کا اسلامی احکامات میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکمران ملک میں وہ اسلام متعارف کرانا چاہتے ہیں جو یہود و نصاریٰ کو قابل قبول ہو۔ یعنی ان کے نزدیک وہ اسلام جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے تھے معاذ اللہ وہ یہاں نہیں چل سکتا۔ اس سوچ کے پیچھے اصل محرک یہ کارفرما ہے کہ ان کا بھروسہ اللہ پر نہیں بلکہ امریکہ پر ہے۔ لیکن عوام کی اکثریت چونکہ مسلمانوں پر مشتمل ہے لہٰذا وہ انہیں مطمئن کرنے کی غرض سے اپنے ان آقاؤں کے احکامات کی تنفیذ کے لئے اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں۔ جہاں کوئی معاملہ واضح طور پر اسلام سے متصادم ہو تو علامہ اقبال کے ان ارشادات کا سہارا لیتے ہیں جن میں انہوں نے اجتہاد کی ضرورت و اہمیت بیان کی ہے۔ حالانکہ اقبال کے نزدیک اجتہاد کا وہ مطلب ہرگز نہیں جن معنوں میں آج کے نام نہاد مسلمان اسے استعمال کرتے ہیں۔ اقبال تو کہتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ کے قدموں سے چپکے رہو اگر ان سے دور ہوئے تو ابولہب کے پیروکاروں میں شمار ہوگا۔

حکمرانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کے بنیادی احکام میں کوئی اجتہاد نہیں ہوسکتا۔ اجتہاد کی ضرورت صرف ان نئے مسائل میں ہوتی ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ کسی دور میں پیش آئیں۔ لیکن اس کے لئے بھی قرآن و حدیث اور اجماع صحابہؓ کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف کرکے اجتہاد کی کوئی بھی کوشش نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے بخیے ادھیڑنے کے مترادف ہوگی۔ ہماری دین اسلام سے اسی بیزاری کا نتیجہ ہے کہ اللہ کا عذاب اس طور ہم پر مسلط ہے کہ دشمن ہمارے دین و مذہب کے خلاف جو بھی سازش کریں ہمارے پاس جواب میں بے بسی' بے حسی اور لاچاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کیفیت سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر فرد مکمل دین اسلام پر عمل پیرا ہو' اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے اپنے عمل کی اصلاح کرے اور ملک میں دین اسلام کے نفاذ کے لئے اپنا سب کچھ لگا دے بصورت دیگر ہم پر اللہ کا عذاب اسی طرح مسلط رہے گا کہ ہم اللہ کی نافرمانی کرکے بھی خود کو راہ راست پر سمجھتے رہیں گے اور بالآخر موت آ دبوچے گی اور خدانخواستہ اصلاح عمل کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔

(مرتب: فرقان دانش خان)

پریس ریلیز

1 [illegible] 2005ء

موجودہ روشن خیالی کے تصور کی جڑیں فتنۂ انکار حدیث سے ملی ہوئی ہیں۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ دین نام ہی قرآن و سنت کے مجموعے کا ہے۔ سنت کو قرآن سے الگ کرنے والا خواہ قرآن کا کتنا ہی بڑا علمبردار کیوں نہ ہو وہ سب سے بڑا فتنہ گر اور دین کی جڑوں کو کھودنے والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ افسوس دشمنان اسلام کے ایماء پر ہمارے حکمران مسلمانوں کو حدیث سے متنفر کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں، کیونکہ حدیث کی موجودگی میں موجودہ روشن خیالی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ اسی فتنے کا شاخسانہ یہ ہے کہ میڈیا پر کہا جارہا ہے کہ قرآن میں شراب کی حرمت کے الفاظ موجود نہیں یا داڑھی رکھنے کا حکم اور پردے کی تفصیلات قرآن سے ثابت نہیں۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ ہمارے حکمران شاید اقبال کی تعلیمات سے پوری طرح واقف نہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مذموم ایجنڈے کی تشہیر کے ساتھ ساتھ ابھی تک اقبال کا نام بھی لے رہے ہیں۔ کیونکہ اقبال کا تو کہنا ہے کہ دین اسلام نام ہی مصطفیٰؐ کا ہے۔ اقبال کے نزدیک دامن مصطفیٰؐ سے الگ ہوکر جو بھی فلسفے اور نظریات بگھارے جائیں گے وہ ابولہب کی پیروی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ حدیث و سنت کے انکار سے دین میں انتشار و افتراق پیدا ہوتا ہے جبکہ قرآن اور حدیث کا مجموعہ گزشتہ پندرہ صدیوں سے اُمت کے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ ہے۔ جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ حدیث کو نہ ماننے والوں کے نزدیک نماز کا کوئی متفقہ تصور موجود نہیں جبکہ اُمت مسلمہ حدیث کی موجودگی میں پانچ نمازوں، رکعتوں کی تعداد، نماز کی فارمیشن اور الفاظ پر پوری طرح متفق ہے۔ لہٰذا سنت و حدیث کو گھٹانے کی ہر کوشش سے بیزاری ہم پر لازم ہے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشرواشاعت' تنظیم اسلامی)

پریس ریلیز

1 [illegible] 2005ء

لاہور (پ ر) جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال، پروفیسر ڈاکٹر مہدی حسن اور ڈاکٹر اسرار احمد ARY TV کے پروگرام "ویوز آن نیوز" میں روشن خیالی اور اجتہاد کے حوالے سے گفتگو کے لئے مدعو تھے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے اجتہاد کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں اجتہاد کے حوالے سے کسی امام کی تقلید کا قائل نہیں ہوں، اجتہاد ہر شخص کرسکتا ہے بلکہ پاکستان میں سپریم کورٹ کی موجودگی میں شریعت کورٹ کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ قرآن و سنت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے موجودہ زمانہ کے درپیش مسائل کے حوالے سے اجتہاد کا دروازہ کھلنا چاہئے۔ جبکہ شریعت کورٹ اجتہاد کے حوالے سے بہترین کردار ادا کرسکتی ہے تاہم اسے تمام شرعی قوانین کے بارے میں فیصلہ دینے کا اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ پروفیسر ڈاکٹر مہدی حسن جو عورتوں کے حقوق کے زبردست حامی ہیں نے کہا کہ مردوں نے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی مذکر کے طور پر Define کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مذکر ہے یا مؤنث اس حوالے سے کہیں واضح ارشاد نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات چودہ سو سال پہلے کے معاشرے کے لئے تھیں آج کے دور میں ملکی نظم و نسق چلانے کے لئے جمہوریت "Order of the Day" ہے۔ لہٰذا ہمیں ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی بجائے جمہوری کلچر کو فروغ دے کر ملک کو ترقی کی راہ پر ڈالنا چاہئے۔ عورت کی امامت کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال نے کہا کہ عورت اگر وزیر اعظم بن سکتی ہے تو مردوں کی نماز کی امامت کیوں نہیں کرواسکتی میرے خیال میں عورت کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے بھی عورت کی امامت کو جائز قرار دیا بلکہ انہوں نے مزید جسارت کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کے قانون وراثت میں عورت کو مرد کی نسبت آدھا حصہ دیا جاتا ہے جو عورت کے ساتھ زیادتی ہے۔ عورت اور مرد کو وراثت میں برابر حصہ ملنا چاہئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلام کے قانون وراثت کے تحت عورت کو مرد کی نسبت آدھا حصے کا ذکر قرآن میں بڑے واضح انداز میں موجود ہے اس حوالے سے اجتہاد کی کوئی گنجائش موجود نہیں اور ایسی جسارت قرآنی احکام کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ عورت کی امامت کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلام میں عورت نہ تو مؤذن بن سکتی ہے اور نہ ہی ایسی جماعت کی امامت کرواسکتی ہے جس میں مرد بھی شریک ہوں۔ اس ضمن میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کا اجماع ہے کہ عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی۔

(جاری کردہ: شعبہ نشرواشاعت' تنظیم اسلامی)

سیرت پاک اور ہم

مولانا ابوالکلام آزاد

ماہ ربیع الاول کا ورود تمہارے لیے جشن ومسرت کا پیغام عام ہوتا ہے تم اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس کی یاد میں' اسی کے تذکرہ میں اور اس کی محبت کی لذت وسرور میں بسر کرنا چاہتے ہو۔ پس کیا مبارک ہیں یہ دل جنھوں نے عشق وشیفتگی کے لیے رب السموٰت والارض کے محبوب کو چنا۔ اور کیا پاک و مطہر ہیں یہ زبانیں جو سیدالمرسلین ورحمتہ اللعالمین کی مدح وثنا میں زمزمہ سنج ہو جائیں۔ مگر کبھی تم نے اس حقیقت پر بھی غور کیا ہے کہ یہ کون ہے' جس کی ولادت کے تذکرہ میں تمہارے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا ایسا عزیز پیام ہے؟

آہ اگر اس مہینہ کی آمد تمہارے لیے جشن ومسرت کا پیام ہے کیونکہ اسی مہینہ میں وہ آیا جس نے تم کو سب کچھ دیا تھا تو میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کسی مہینے میں ماتم نہیں۔ کیونکہ اس مہینہ میں پیدا ہونے والے نے جو کچھ ہمیں دیا تھا' وہ سب کچھ ہم نے کھو دیا۔ تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو مگر تمہیں اپنے دل کی اجڑی ہوئی بستی کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو مگر اپنے دل کی اندھیاری دور کرنے کے لیے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے؟ تم پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو' مگر آہ! تمہارے اعمال حسنہ کا پھول مرجھا گیا ہے۔ تم گلاب کے چھینٹوں سے اپنے رومال و آستین کو معطر کرنا چاہتے ہو۔ مگر آہ تمہاری عظمتِ اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کی شام روح یکسر محروم ہے! کاش تمہاری مجلسیں تاریک ہوتیں۔ تمہارے اینٹ اور چونے کے مکانوں کو زیب و زینت کا ایک ذرہ نصیب نہ ہوتا تمہاری آنکھیں رات رات بھر کی مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں۔ تمہاری زبانوں سے ماہ ربیع الاول کی ولادت کے لیے دنیا کچھ نہ سنتی۔ مگر تمہاری روح کی آبادی معمور ہوتی۔ تمہارے دل کی بستی نہ اُجڑتی' تمہارا طالع خفتہ بیدار ہوتا۔ تمہارے اعمال حسنہ سے اسوۂ حسنہ نبوی کی مدح وثناء کے ترانے اٹھتے!

تم اس کے آنے کی خوشیاں تو مناتے ہو' مگر تم نے اس مقصد کو فراموش کر دیا ہے جس کے لیے وہ آیا تھا۔ یہ ماہ' اگر خوشیوں کی بہار ہے تو صرف اس لیے کہ اسی مہینہ میں دنیا کی خزانِ ضلالت ختم ہوئی اور کلمۂ حق کا موسم ربیع شروع ہوا۔ پھر اگر آج دنیا کی عدالت سموم ضلالت کے جھونکوں سے مرجھا گئی ہے تو اے غفلت پرستو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بہار کی خوشیوں کی رسم تو مناتے ہو مگر خزاں کی پامالیوں پر نہیں روتے؟

اس ماہ کی خوشیاں تو اس لیے ہیں کہ اسی میں کوہ فاراں پروہ آتشیں شریعت' نمودار ہوئی جو ذلت ونامرادی سے ٹھکرائے جانے کے لیے دنیا میں نہیں آئی تھی کہ ضلالت وشقاوت' نامرادی وناکامی کی ذلت سے ٹھکرا دی جائے۔ وہ اللہ کے ہاتھ کی چکائی ہوئی ایک تلوار تھی' جس کی ہیبت و قہاریت نے باطل پرستی کی تمام طاقتوں کو لرزا دیا' اور کلمۂ حق کی بادشاہت اور دائمی فتح کی دنیا کو بشارت سنائی۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (الفتح:28) وہ مظلوم کی تڑپ نہ تھی بلکہ ظلم کو تڑپانے والی شمشیر تھی' وہ مسکین کی بے قراری نہ تھی بلکہ دنیا کو بے قرار کرنے والوں نے اس سے بے قراری پائی۔ وہ درد وکرب کی کروٹ نہ تھی بلکہ درد وکرب میں مبتلا کرنے والوں کو اس سے بے چینی کا بستر ملا۔ وہ جو کچھ لایا' اس میں غمگین کی چیخ نہ تھی' ماتم کی آہ نہ تھی۔ ناتوانی کی بے بسی نہ تھی اور حسرت و مایوسی کا آنسو نہ تھا۔ بلکہ یکسر شادمانی کا غلغلہ تھا۔ جشن ومراد کی بشارت تھی۔ طاقت وفرمانروائی کا اقبال تھا' زندگی وفیروزمندی کا پیکر و تمثال تھا۔ فتح مندی کی ہیشگی تھی اور نصرت وکامرانی کی دائمی۔

لیکن آج جب کہ تم عید میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہو تو تمہاری نعمت وکامرانی کہاں ہے' جو تمہیں سونپی گئی تھی۔ وہ تمہاری روح حیات تمہیں چھوڑ کر کہاں چلی گئی جو تم میں پھونکی گئی تھی۔ آہ! تمہارا خدا تم سے کیوں روٹھ گیا؟ اور تمہارے آقا نے کیوں تم کو صرف اپنی غلامی کے لیے نہیں رکھا۔ کیا ربیع الاول میں آنے والے نے خدا کا یہ وعدہ نہیں پہنچایا تھا کہ عزت صرف تمہارے ہی لیے ہے۔ پھر یہ کیا انقلاب ہے کہ ذلت تمہارے لیے مقدر ہوگئی ہے اور عزت نے تم سے منہ چھپا لیا ہے۔ یہ کیوں ہے کہ تم نے کامیابی نہ پائی اور کام ومراد نے تمہارا ساتھ نہ دیا۔ کیا خدا کا وعدہ سچا نہیں؟ کیا وہ اپنے قول کا پکا نہیں تم جو انسانوں کے وعدہ پر ایمان رکھتے ہو اور ان کے حکموں کے آگے گرنا جانتے ہو' خدا کے وعدہ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کے لیے اپنے اندر کوئی صدا نہیں پاتے؟ آہ! نہ تو اس کا وعدہ جھوٹا تھا نہ اس نے اپنا رشتہ توڑا۔ یہ تم ہی ہو' تمہاری ہی محرومی اور بے وفائی ہی ہے۔ تمہارے ہی ایمان کی موت' اور راستی کی حرمانی ہے۔ جس نے پیمان وفا کو توڑا اور خدا کے مقدس رشتہ کی عظمت کو اپنی غفلت وبداعمالی اور غیروں کی پرستش و بندگی سے بٹہ لگایا۔ خدا اب بھی غیروں کے لیے نہیں بلکہ صرف تمہارے ہی لئے ہے بشرطیکہ تم بھی غیروں کے لئے نہیں بلکہ صرف خدا کے لیے ہو جاؤ۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

ابلاغیات

کیا آزادی تحریر صرف میڈیا کا حق ہے

محمد سمیع کراچی

ہماری حکومت کا دعویٰ ہے کہ پریس آزاد ہے' لیکن کیا قلمکار بھی آزاد ہیں چند مکالمے ملاحظہ فرمائیں:

مدیر: نہیں جناب آپ کی یہ تحریر قابل اشاعت نہیں۔

مضمون نگار: لیکن آخر کیوں۔ کیا اس مضمون میں کوئی ایسی بات ہے جو سچائی پر مبنی نہیں؟

مدیر: میں یہ نہیں کہتا۔

مضمون نگار: تو پھر آخر یہ مضمون شائع نہیں ہو سکتا۔

مدیر: جناب آپ کے مضمون کے مندرجات اخبار کی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتے۔ میں آپ کے اس مضمون کو شائع کر کے اپنی نوکری خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔

مدیر: جناب اب ہم آئندہ آپ کا کوئی مضمون شائع نہیں کریں گے۔

مضمون نگار: لیکن عالی جاہ! ہمارا جرم تو بتایئے۔

مدیر: آپ کے مضامین فلاں اخبار میں بھی شائع ہو رہے ہیں۔

مضمون نگار: جناب یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔

مدیر: نہیں جناب یہ ہمارے اخبار کی پالیسی کے خلاف ہے۔ ہمارے اخبار میں ان کے مضامین شائع ہو سکتے ہیں جو صرف ہمارے اخبار کے لئے لکھیں۔

☆☆☆

مدیر: بھائی آپ کا فلاں مضمون کیا شائع کیا، گویا بہت بڑا جرم کردیا ہے۔ لوگوں کے ٹیلیفون پر ٹیلیفون چلے آرہے ہیں کہ آپ نے یہ مضمون کیوں شائع کیا۔ ایک خاتون تو بہت برہمی کا اظہار کررہی تھیں۔ جس ادارے کی کارکردگی پر آپ نے تنقید کی تھی، محترمہ کا تعلق اسی شعبے سے تھا۔

مضمون نگار: اصل میں ہمارے کسی ادارے کے ذمہ داروں میں تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں۔ حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ جس مسئلے پر مضمون لکھا گیا تھا، اس کو حل کرنے کی کوشش کرتے۔ اب دیکھئے نا کہ ہمارے ہاں ٹیلیفون لگے ہوئے 6 ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مجھے ہر ماہ عوامی مرکز سے جاکر بل کی نقل نکلوا کر ادائیگی کرنی پڑتی ہے۔ دوسری صورت میں بل کی رقم بڑھتی رہے گی اور جب ادارے سے بل موصول ہوگا تو میرے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ یکمشت ادائیگی کرسکوں۔ نتیجتاً ٹیلیفون کٹنے کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اب اگر میں اس پر مضمون لکھوں اور آپ اسے شائع کردیں تو پھر آپ کو ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا میں ٹیلیفون والوں کی اس زیادتی پر خاموش رہوں۔

مدیر: نہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ ہاں ذرا ہاتھ ہولا رکھا کریں۔

☆☆☆

مدیر: بھائی قارئین کو شکوہ ہے کہ آپ کے مضامین کیوں شائع کررہے ہیں جبکہ آپ کے ایسے مضامین فلاں اخبار میں بھی شائع ہورہے ہیں جن میں اس ادارے پر تنقید ہوتی ہے جس کی نمائندگی آپ کا اخبار کررہا ہے۔

مضمون نگار: تو پھر آپ نے انہیں کیا جواب دیا؟

مدیر: میں نے ان کو بتایا کہ ہمارے ہاں شائع ہونے والے ان کے مضامین میں کلمۂ خیر ہی ہوتا ہے۔ آپ ہمارے اخبار میں شائع ہونے والے ان کے مضامین پر کوئی اعتراض نہیں کرتے کیونکہ ان مضامین میں ادارے کے خلاف کوئی بات نہیں ہوتی تو آپ کو کم ازکم ان کی تنقید کو بھی برداشت کرنا چاہئے۔

مضمون نگار: ماشاءاللہ! آپ نے بہت عمدہ جواب دیا۔

مدیر: اخبار میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اخبارات کے ذریعے کسی مسئلہ یا کسی ادارے کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں پر مشتمل مضامین شائع ہونے چاہئے۔

☆☆☆

مدیر: بھائی آپ نے بڑی زیادتی کی ہے۔ آپ نے ایک مضمون ہمیں اشاعت کے لئے بھیجا جو پہلے ہی فلاں اخبار میں شائع ہوچکا تھا۔ آپ ذرا تو سوچیں ہم نے آپ

(باقی صفحہ 17 پر)

مراقبۂ موت

حضرت مجذوبؒ

چندروزہ ہے یہ دنیا کی بہار!

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز حضرت مجذوبؒ کی ایک شہرۂ آفاق نظم
جس میں اہل ایمان کے لئے تذکیر و موعظت اور پیغامِ عمل کا وافر سامان موجود ہے

(2)

تجھ کو غافل فکر عقبیٰ کچھ نہیں   کھا نہ دھوکہ عیشِ دنیا کچھ نہیں
زندگی ہے چند روزہ کچھ نہیں   کچھ نہیں اس کا بھروسہ کچھ نہیں!
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن   قبر میں ہو گا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن   اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن!
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

سب کے سب ہیں رہرو کوئے فنا   جا رہا ہے ہر کوئی سوئے فنا
بہہ رہی ہے ہر طرف جوئے فنا   آتی ہے ہر چیز سے بوئے فنا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

چند روزہ ہے یہ دنیا کی بہار   دل لگا اس سے نہ غافل زینہار
عمر اپنی یوں نہ غفلت میں گزار   ہوشیار اے محوِ غفلت ہوشیار!
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

ہے یہ لطفِ عیشِ دنیا چند روز   ہے یہ دورِ جام و مینا چند روز
دارِ فانی میں ہے رہنا چند روز   اب تو کر لے کارِ عقبیٰ چند روز
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

عشرتِ دنیائے فانی ہیچ ہے   پیشِ عیشِ جاودانی ہیچ ہے
مٹنے والی شادمانی ہیچ ہے   چند روزہ زندگانی ہیچ ہے!
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم   چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم
سانس ہے اِک رہروِ ملکِ عدم   دفعتاً اک روز یہ جائے گا تھم
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور   جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
زندگی اک دن گزرنی ہے ضرور   قبر میں میت اترنی ہے ضرور
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

(جاری ہے)

انڈونیشیا میں ابتدائی تحریکیں

سید قاسم محمود

جس زمانے میں ہندوستان میں سید احمد شہید اور اسماعیل شہید کی قیادت میں مجاہدین نے سکھوں اور انگریزوں کی اسلام دشمنی کے خلاف جہادی تحریک برپا کر رکھی تھی' اسی زمانے میں انڈونیشیا میں ولندیزیوں کے خلاف تحریک جہاد برپا تھی۔ جہاد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اندرونی حالات میں اصلاحی تحریکیں بھی جاری تھیں' جس طرح ہندوستان میں مجاہدین کی تحریک کے پہلو بہ پہلو فرائضی تحریک اور تیتو میر کی معاشرتی و اقتصادی اصلاحات چل رہی تھیں۔

تحریک مواخات:

ولندیزیوں کے خلاف مجاہدین کی جنگ آزمائی کے ساتھ ساتھ جاوا کے دیہات میں باہمی امداد و تعاون کا جذبہ بیدار ہو رہا تھا۔ ولندیزیوں کی لوٹ کھسوٹ نے پوری کسان آبادی کو مصائب و مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا۔ مصائب کی ہمہ گیری نے اُن میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کر کے ان مشکلات کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ باہمی امداد کے اس جذبے نے ایک بڑی مفید تحریک کی شکل اختیار کر لی جو گوتنگ رویونگ (Gotong Royong) یا تحریکِ مواخات کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تحریک کی اشاعت کرنے والوں نے عوام کو یہ بتلایا کہ وہ سب ولندیزیوں کے مظالم واستبداد کی وجہ سے کس طرح مصائب و مشکلات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان تکلیف دہ حالات میں یہ ضروری ہے کہ ہر گاؤں کے رہنے والے آپس میں برادرانہ تعلقات کو مستحکم کریں اور ایک دوسرے کے رفیق کار اور مددگار بنیں۔ سب لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں اور خوشی اور غم میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ اس طرح دیہی باشندوں میں باہمی امداد و اتحاد اور اخوت کے جذبے کو ترقی ہونے لگی اور یہ تحریک جاوا کے دیہات میں بڑی تیزی سے پھیل گئی۔

تحریک مواخات کے اہم اصول یہ تھے کہ ہر دیہاتی ایک دوسرے کا بھائی اور رفیق ہے۔ خوشی اور غم کا ساتھی ہے۔ کاروبار میں برابر کا شریک ہے' اور ہر آڑے وقت میں کام آنے والا مددگار ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا اصول اس تحریک میں بنیادی اہمیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ہر مشکل کام کو مل کر انجام دیتے تھے اور اس کا کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے۔ کاشت کاری مل جل کر کرتے اور فصل کاٹنے کے موقع پر سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے اور سب مل کر کام کرتے۔ اگر کوئی قدرتی آفت اور ناگہانی مصیبت آن پڑی تو سب مل کر اس کا مقابلہ کرتی۔ خود غرضی کی جگہ بے غرضی نے لے لی تھی۔ باہمی امداد کے علاوہ گاؤں کے باشندوں کے اخلاق و کردار کو بلند رکھنا بھی اس تحریک کا ایک اہم اصول تھا۔ چنانچہ ہر قسم کے جرائم کا انسداد کرنے کے لئے بھی متحدہ کوشش کی جاتی تھی اور مجرموں' شرابیوں اور بدکاروں کو گاؤں سے نکال دیا جاتا تھا جن کو کہیں بھی پناہ نہ مل سکتی تھی۔ اس تحریک کا دیہی زندگی پر بہت اچھا اثر ہوا اور انفرادی مشکلات اور خاندانی مصائب کو اجتماعی امداد باہمی سے حل کیا جانے لگا۔

ثامنی تحریک:

جاوا میں معاشرتی اصلاحی تحریک کے ساتھ ساتھ دیہات میں ایک زرعی تحریک بھی شروع ہوئی' جو کاشت کاروں سے متعلق ولندیزیوں کی تباہ کن اقتصادی پالیسی کا ردعمل تھی۔ تحریک مواخات کی نوعیت محض اصلاحی تھی اور اُس میں تصادم کا کوئی پہلو نہ تھا' لیکن اس کے برعکس یہ زرعی تحریک جو "ثامنی تحریک" کے نام سے مشہور ہوئی' بڑی شدت کے ساتھ ولندیزی حکومت سے متصادم ہوگئی۔

ثامن نامی ایک شخص نے 1890ء میں شمال مشرقی جاوا کے کاشت کاروں میں یہ تحریک شروع کی جو 1917ء تک جاری رہی۔ اس تحریک کے رہنماؤں نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ جبری کاشت کا جو طریقہ ولندیزیوں نے نافذ کیا ہے' وہ بند کر دیا جائے اور کاشت کاروں کو اپنی زمین پر خود اپنی مرضی کے مطابق کاشت کرنے اور اس کی پیداوار فروخت کرنے کی اجازت دی جائے۔ انڈونیشی کاشت کاروں پر بھاری ٹیکس لگا کر جو بار ڈالا گیا ہے' وہ ہلکا کیا جائے۔ ولندیزی حکومت عوام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو مداخلت کرتی ہے' وہ بند کر دی جائے اور دیہی باشندوں کو اس بات کی آزادی دی جائے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق اپنی معاشرتی اور اقتصادی زندگی کو منظم کریں۔ معاشرے میں ہر شخص کی عزت و تکریم اور حقوق کا احترام بہت ضروری ہے' اس لئے بیگار کا طریقہ بالکل ختم کر دیا جائے۔ افراد میں معاشی مساوات قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہر گاؤں کی جدوجہد اور پیداوار میں سب برابر کے شریک ہوں۔

دیہات میں ثامنی تحریک بہت مقبول ہوئی اور تمام کاشت کار اس کی حمایت میں نکل آئے۔ حکومت نے اس تحریک کو اپنے خلاف بغاوت سمجھا اور 1907ء میں تحریک کے بانی ثامن اور دوسرے آٹھ رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ حکومت کے اس اقدام سے کاشت کاروں میں اشتعال اور ہیجان پیدا ہوا اور اُن میں تحریک کو زیادہ فعال اور اس کے مقاصد کے حصول کے لئے متحدہ جدوجہد کرنے کا عہد اور اعلان کیا۔ چنانچہ تین ہزار کسان خاندانوں نے اپنا یہ عہد پورا کرنے کے لئے حکومت کی مزاحمت شروع کر دی۔ 1914ء میں جگہ جگہ تصادم اور فسادات ہونے لگے۔ یہ صورت حال مسلسل تین سال جاری رہی۔ حکومت اس تحریک کی وسعت اور شدت کے نتائج کو محسوس کرنے لگی' اور اس کو پوری طاقت سے کچل دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ 1917ء کے اواخر میں ولندیزیوں نے اپنی فوجی طاقت استعمال کر کے اس تحریک کو دبا دیا اور اس کے رہنماؤں کو جلاوطن کر دیا۔ اس طرح یہ ثامنی تحریک بھی 27 سال تک جاری رہ کر ختم ہوگئی۔

شرکت گانگ اسلام:

انڈونیشیا میں ایک اہم عنصر چینیوں کی کثیر تعداد میں موجودگی تھی۔ وہ مسلمان تھے نہ ولندیزیوں کی طرح عیسائی۔ وہ محض کاروباری لوگ تھے' اور ولندیزی حکومت نے مسلمانوں کا زور توڑنے کے لئے (جس طرح ہندوستان میں انگریزوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے ہندوؤں کو ابھارا تھا) چینیوں کو ہر شعبے میں آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ ان کو تجارت میں خصوصی مراعات سے نوازا۔ ٹیکسوں کی وصولی کی اجارہ داری دی۔ شہروں اور دیہات میں محاصل کی وصولی کے کارندے بنایا۔ ان اقدامات سے شرق الہند (ایسٹ انڈیز) کی معاشی زندگی درہم برہم ہو کر رہ گئی' اور انڈونیشی مسلمانوں پر چینیوں کی

گرفت روز بروز شدید تر ہوتی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کا ردِعمل ہونا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ مختلف جزائر میں چینیوں کے خلاف جذبات کا اظہار ہونے لگا۔ جذبات کی ہم آہنگی سے شرکت گانگ اسلام (Sherakat Dgang Islam) سے ایک منظم تحریک وجود میں آئی' جس کا مقصد اہل انڈونیشیا کو چینیوں کی معاشی گرفت سے آزاد کرانا تھا۔

اب تک چینیوں کا دائرۂ عمل زیادہ تر انڈونیشیا کے ساحلی علاقوں تک محدود تھا' لیکن ولندیزیوں کی حوصلہ افزائی سے انہوں نے اندرونی علاقوں میں بھی اپنا تجارتی مال پھیلانے کی کوشش شروع کر دی۔ 1904ء میں حکومت نے مزید مراعات دیں اور اندرونی علاقوں میں داخلے پر جو پابندی تھی' وہ بھی اٹھالی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنوبی چین کے لوگوں نے نقل مکانی کر کے انڈونیشی جزائر کا رخ کیا اور انڈونیشیا کے اندرونی علاقوں میں بھی چینی آباد ہونے لگے۔ اس طرح اندرونی علاقے بھی چینیوں کی معاشی گرفت میں آ گئے اور ان صنعتوں پر بھی چینی قابض ہونے لگے جو مدتِ دراز سے انڈونیشی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھیں۔ مسلمان غریب و نادار تھے' چینی رئیس اور سرمایہ دار۔ حکومت چینیوں کی سرپرست تھی' لہٰذا مسلمان تاجر اور صنعت کار چینیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔

اس نازک صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ممتاز انڈونیشی تاجر اور اسلام دوست رہنما حاجی ثمن ہدیٰ نے 1905ء میں ایک تحریک شروع کی جو رفتہ رفتہ جڑ پکڑنے لگی۔ اس تحریک کو دیکھ کر حکومت نے چینیوں کو مزید مراعات دینے کا سلسلہ جاری کر دیا۔ چینیوں کی تجارتی (اور سماجی سرگرمیاں) بڑھتی رہیں' یہاں تک کہ 1910ء میں چینی تاجر تمباکو اور سگریٹ سازی کی صنعت پر بھی قابض ہو گئے جو انڈونیشی مسلمانوں کے لئے مخصوص تھی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حاجی ثمن ہدیٰ اور کئی بڑے تاجر مقابلے پر آ گئے اور 1911ء میں حاجی ثمن کی تجارتی تحریک کو سوراکارتا میں "شرکت گانگ اسلام" یعنی "انجمنِ تاجرانِ اسلام" کے نام سے تاجروں کی ایک باقاعدہ تنظیم وجود میں آئی۔ یہ انجمن امدادِ باہمی کے اصول پر قائم کی گئی تھی۔ جاوا کے تمام چھوٹے بڑے مسلمان تاجر اس انجمن میں شامل ہو گئے۔ "شرکت گانگ اسلام" کا بنیادی مقصد انڈونیشی مسلمان تاجروں کے مفادات کا تحفظ تھا اور ان کو چینیوں کی گرفت سے نجات دلانا تھا۔ اس انجمن کے رہنماؤں نے چینی تاجروں اور چینی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تحریک شروع کی۔ اس تحریک کو مسلمانوں میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ بڑی تیزی سے پھیلنے لگی۔ چینی اس تحریک سے بہت ناراض اور خوفزدہ ہو گئے' اور انہوں نے قراردادوں اور مطالبات کے ذریعے ولندیزیوں سے فوری اور عملی امداد چاہی۔ انڈونیشی مسلمانوں اور چینیوں میں کشیدگی بڑھ گئی' 1912ء میں سوراکارتا اور سورابایا میں چینیوں کے خلاف مظاہروں نے فسادات کی شکل اختیار کر لی۔ ولندیزی حکومت نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ "شرکت گانگ اسلام" کو غیر قانونی جماعت قرار دے دیا۔ اس کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح اس تحریک کو بھی طاقت کے زور پر کچل دیا گیا' لیکن اس کے بعض پُر جوش اور نوجوان رہنماؤں نے چند ماہ کے بعد اسی تنظیم کی راکھ پر انڈونیشیا (شرق الہند) کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی سیاسی جماعت "شرکتِ اسلام" قائم کی' جو اُس دور کی عظیم ترین اسلامی تحریک تھی' جس نے انڈونیشیا کی آزادی کی راہ ہموار کر دی۔

تعلیمی اور مذہبی تحریکیں:

ولندیزیوں نے اپنے سامراجی مقاصد پورے کرنے کے لئے انڈونیشیا میں جو تعلیمی اور مذہبی پالیسی اختیار کی' مسلمانوں پر اس کا بہت برا اثر ہوا۔ سیاسی بصیرت رکھنے والے محبانِ وطن پر اس کا ردِعمل اتنا شدید ہوا کہ انہوں نے اپنے مطلب اور غرض و غایت کی تعلیمی اور دینی تحریکیں شروع کر دیں۔ ولندیزی حکومت نے سیاسی جماعتوں کا قیام 1852ء کے قانون کے ذریعے ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ اس لئے قومی شعور بیدار کرنے کے لئے کوئی سیاسی تحریک شروع کرنا ممکن نہ تھا' لیکن بیدار مغز انڈونیشی رہنما اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ انڈونیشی عوام اسلام کے اس قدر گرویدہ ہیں کہ اگر اسلام کی حفاظت کے لئے کوئی تحریک شروع کی جائے تو تمام جزائر کے باشندے اس کی پوری حمایت کریں گے اور پورے ملک میں ایک زبردست اجتماعی تنظیم قائم ہو جائے گی۔ انڈونیشی مسلمانوں میں اپنی سیاسی تنظیم کا احساس بیدار کرنے اور ولندیزیوں کے پیدا کردہ انتشار سے' اور عیسائیت کی زبردست تبلیغ و اشاعت سے' اسلامی معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لئے دینی تحریک شروع کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی تحریک کی ضرورت بھی رہنماؤں کو محسوس ہوتی تھی' کیونکہ تعلیمی شعور کے بغیر مذہبی تحریک کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔

چنانچہ پہلے تعلیمی تحریک ہی شروع کی گئی جو "بودی" اور "تومو" کے نام سے مشہور ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی شاخیں پورے انڈونیشیا میں پھیل گئیں۔ ولندیزیوں نے انڈونیشی مسلمانوں پر تعلیم کے دروازے بند کر رکھے تھے' اور اُن کی آمد سے پہلے جو دینی مدرسے قائم تھے' ان کو تالا لگوا دیا تھا۔ زیادہ بدقسمتی کی بات یہ کہ انڈونیشی مسلمان عام طور پر اس قدر جاہل تھے کہ وہ اپنی تعلیمی تحریک کی اہمیت و افادیت کو پوری طرح محسوس نہ کر سکے اور یہ تحریک صرف جاوا تک محدود رہی۔ تاہم اس تعلیمی تحریک نے (سرسید کی علی گڑھ تحریک کی طرح) ایک بڑی اور منظم جماعت کی شکل اختیار کر لی اور ملک کے باشعور طبقوں میں اس کی سرگرمیوں کو اتنی وقعت اور اہمیت دی جانے لگی کہ انڈونیشیا کی جدید قومی تحریک میں بنیادی اہمیت حاصل ہو گئی (آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرح)۔

انڈونیشیا کے مسلمانوں پر سب سے زیادہ شدید اور ہمہ گیر ردِعمل ولندیزیوں کی مذہبی پالیسی کا ہوا' جس کا مقصد یہاں عیسائیت کی تبلیغ اور زیادہ سے زیادہ مقامی باشندوں کو عیسائی بنانا تھا۔ اس مذہبی پالیسی نے چند سال کے اندر ملک کا مذہبی نقشہ ہی بدل ڈالا۔ ولندیزی مسلمانوں سے خوف زدہ تھے اور اس کو اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اسی بناء پر وہ اس بات کے لئے کوشاں تھے کہ اسلام میں ہر ممکن طریقے سے انتشار پیدا کر کے اس کو کمزور کر دیا جائے۔ عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کو وہ اپنی طاقت' اور مسلمانوں کے اندر دینی اختلافات پھیلانے کا ایک موثر ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسی خیال سے عیسائیت کی جبری اشاعت کرنے کی قانونی اور سرکاری پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ لیکن انڈونیشیا کے محبِ وطن مسلم رہنماؤں کے لئے اس پالیسی کے خطرات اس قدر واضح تھے کہ ہر طبقے کے باشندے اس کو خوب محسوس کرتے تھے۔ سیاسی فہم و بصیرت رکھنے والے رہنما یہ جانتے تھے کہ انڈونیشیا کی سیاسی آزادی اور اس کے قومی اتحاد و استحکام کا واحد ذریعہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ اگر ولندیزی اسلام کو کمزور کر دینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر نجات اور آزادی کی تمام راہیں بند ہو جائیں گی۔

چنانچہ انہوں نے اسلام کے تحفظ کو بنیادی اہمیت دی اور ایسے عوام کو' جن میں تعلیم اور سیاسی شعور کا فقدان تھا' منظم و متحد کرنے کے لئے دینی تحریک شروع کر دی' اور "شرکتِ اسلام" کے نام سے ایک زبردست دینی تحریک نمودار ہوئی' جو انڈونیشیا کے تمام جزائر میں تیزی سے پھیل گئی۔ اس دینی تحریک نے بعد ازاں سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے ولندیزی عہد کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی۔

"شرکتِ اسلام" نے اسلام کے تحفظ و استحکام کو اپنی ہمہ جہتی سرگرمیوں کی بنیاد قرار دے کر ولندیزیوں کی اشاعت عیسائیت کے منصوبے کو ناکام بنا دیا اور عامۃ المسلمین میں سیاسی بیداری پیدا کر کے قومی جدوجہد کے اُس شاندار دور کا آغاز کیا' جس کا نتیجہ ولندیزی سامراج کے خاتمے اور انڈونیشیا کی آزادی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ (جاری ہے)

مغربی دنیا میں لوگوں کی اسلام کی طرف توجہ علمی دلچسپی سے بڑھ کر عمل کے میدان میں داخل ہو چکی ہے۔

صنعتکار اپنے ورکرز کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت کے مناسب اہتمام کا ذمہ دار ہے!

رفقاءِ تنظیم کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ وہ دعوت و اقامتِ دین کے اس کام میں زندگی کے آخری سانس تک جُتے رہیں۔

جب تک کچھ لوگ اپنی زندگی تو اس اعلیٰ مقصد کے لیے وقف نہیں کریں گے، کام نہیں چلے گا۔

''کچھ وقت جناب زین العابدین کے ساتھ''

انجمن خدام القرآن سندھ کے صدر اور تنظیم اسلامی کے ایک سینئر رفیق جناب زین العابدین سے نمائندہ ندائے خلافت جناب محمد سمیع کی گفتگو

س: آپ کی باغ و بہار شخصیت کی کئی جہتیں ہیں۔ آپ ایک پرعزم تحریکی کارکن، ایک کامیاب صنعتکار ہونے کے علاوہ حیرت انگیز طور پر شعر و ادب سے گہری دلچسپی رکھنے والی شخصیت ہیں۔ ہماری اولین گزارش تو یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمیں یہ بتائیں کہ آپ نے اپنی شخصیت میں ان متضاد جہتوں کو کس طرح اکٹھا کیا؟

ج: سب سے پہلے تو میں یہ عرض کروں گا کہ آپ کا میرے بارے میں حسن ظن ہے ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔ ہر انسان اپنے ماحول کا پیداوار ہوتا ہے۔ جس ماحول میں میں نے آنکھ کھولی شاید یہ اسی کا نتیجہ ہو کہ جو کچھ آپ میری شخصیت میں محسوس کرتے ہیں۔ میرا تعلق کراچی سے ہے البتہ میرے والدین مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ ایک بڑی joint فیملی تھی جس میں دادا، دادی، والد صاحب کے تایا، چچا اور ہم 18 بہن بھائی اور چچا کے 11 بچے سب اکٹھے رہتے تھے۔ گھر میں خاصی رونق رہتی تھی۔ ہم سب تعلیم کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ حصول علم کا شوق اور تڑپ ہم میں موجود تھی۔ میرے والد صاحب محمد عبدل جواد صاحب ایک کاروباری آدمی ہونے کے ساتھ ادبی اور علمی ذوق بھی رکھتے تھے۔ ہمارے چچا کا نام فیض احمد تھا جو بڑے نیک اور دیندار آدمی تھے۔ دادا ہمارے شاعر بھی تھے اور نیم ڈاکٹر بھی۔ دادی بڑی نیک اور دیندار خاتون تھیں۔ انہوں نے ہمارے گھر میں تبلیغ کا سلسلہ 1955 سے شروع کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی اہلیہ کی ممانی بیگم حاجرہ قریشی نے ہمارے گھر میں 1955ء سے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ جب میں نے آنکھ کھولی تو گھر میں ایک روایتی دینی ماحول پایا۔ نماز، روزے کی بھی پابندی تھی۔ عیدین اور دیگر مذہبی festivals بڑے ذوق شوق سے منائے جاتے تھے۔ اس ماحول نے میری شخصیت میں نفوذ کیا۔ تعلیم کے حوالے سے گھر میں ایک competition ماحول تھا۔ ہمارے والد صاحب کے تایا جناب شیخ عبداللطیف صاحب مرحوم و مغفور نے ہماری بنیاد مضبوط کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ان کی ہم بچوں پر کڑی نظر ہوتی تھیں کہ کہیں یہ بگڑ نہ جائیں۔

جب میں نے سیاسی شعور کی آنکھ کھولی تو پاکستان کی سیاسی فضا بہت charged تھی۔ 1965ء کے الیکشنز کی فضا تھی۔ بعد میں 5-1964 تک کراچی میں روزانہ کوئی نہ کوئی معرکہ رہا کرتا تھا یہاں تک کہ ایوب خان کا زوال ہوا۔ اس کے بعد جنرل یحییٰ کا دور آیا۔ اس کے دور میں الیکشن میں نظریاتی کشمکش بھی بہت سخت تھی۔ اسی دور میں میں یونیورسٹی میں داخل ہوا تھا۔ کالج کا دور میرا 67-1966ء کا تھا۔ جس میں میری توجہ خالصتاً تعلیم پر رہی۔ اپنے اردگرد کے ماحول سے اتنا متاثر نہیں ہوا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ میں پڑھائی میں اچھا نکل آیا۔ یونیورسٹی میں داخل ہوا تو تعلیم کا اتنا ماحول نہیں تھا۔ اس زمانے میں سیاسی ماحول میں بڑا شور شرابا تھا۔ اس کا ہم نے بھی اثر قبول کیا۔ اس پر مستزاد یونیورسٹی کا لبرل ماحول تھا۔ پڑھائی کے ساتھ ادب، شاعری اور تاریخ کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت تاریخ پر جو debate چل رہی تھی۔ ہم تاریخ کے اس موڑ پر تھے کہ جہاں ملک کا رخ متعین کرنا تھا۔ ان تمام باتوں کا اثر میری شخصیت نے قبول کیا۔ یونیورسٹی میں آپ جس کو liberal education کہتے ہیں وہ میری شخصیت کا حصہ بن گئی۔ پروفیشنل تعلیم یعنی ڈاکٹری یا انجینئرنگ میں جو یک رخی ہوتی ہے اس سے میں بچ گیا۔ میں فزکس کا طالب علم تھا۔ اس کے بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ چلا گیا۔ میں وہاں تعلیم میں تو اتنی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ پی ایچ ڈی کرنے گیا تھا، نہ کر سکا۔ لیکن میں نے وہاں کی زندگی کو غور سے دیکھا۔ ان کے معاشرے اور تاریخ کا مطالعہ کیا۔ امریکہ کو دیکھنے اور سمجھنے سے بھی مجھے کچھ فائدہ پہنچا۔ یہ سب تجربات لے کر میں 1976ء میں پاکستان واپس آیا۔ اس دوران میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا مجھے اپنی خاندانی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے واپس آنا پڑا۔ کاروبار میں آنے کے بعد مجھے وقت ملا۔ میری جو دلچسپیاں تھیں ان کو persue کرتا رہا۔ اس دوران مجھے ادب، شعر و شاعری اور تاریخ بہت کچھ مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ کیونکہ مجھے مطالعے کا شوق جنون کی حد تک رہا۔ اس حوالے سے یقیناً یہ باتیں میری ذات میں اکٹھی ہو گئیں۔

س: تنظیم کی دعوت آپ تک کس طرح پہنچی اور اس پر آپ نے کس طرح لبیک کہا؟

ج: تنظیم کی دعوت ڈاکٹر صاحب کے ذریعے سے ہی پہنچی۔ 1986ء میں ڈاکٹر صاحب نے جو دورۂ ترجمہ قرآن کیا تھا، اسی میں پہلی مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے تفصیلی تعارف ہوا۔ البتہ 1980ء کے اوائل میں میں نے ڈاکٹر صاحب کے کچھ دروس سنے جو رمضان المبارک میں TV پر آتے تھے۔ روزانہ ایک پارے کا خلاصہ بیان ہوتا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہ کوئی مختلف بات ہے کیونکہ اس سے پہلے دین کے بارے میں پہلے میرا تجربہ روایتی علماء کے حوالے سے تھا یا جمعہ کے مواعظ تک تھا۔ البتہ ہمارے چچا فیض احمد صاحب اسلامی مرکز کے ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری صاحب کے بڑے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ ورلڈ اسلامک مشن کا دفتر نارتھ ناظم آباد میں تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری صاحب بہت بڑے عالم دین تھے۔ ان کے کئی لیکچرز میں نے سنے۔ میں محسوس کرتا تھا کہ ان میں علمیت بھی تھی اور روحانیت بھی۔ بہرحال پھر بھی روایتی دروس قرآن کا معاملہ تھا۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب کو پہلی بار میں نے ٹی وی پر سنا تو مجھے مختلف بات محسوس ہوئی۔ اس کے بعد 83-1982ء میں ٹیلیویژن پر ڈاکٹر صاحب کا پروگرام الہدیٰ شروع ہوا۔ اس کو میں نے مکمل نہیں دیکھا کیونکہ اس زمانے میں میری کاروباری مصروفیات بڑھ رہی تھیں۔ سفر بھی بہت ہوتے تھے اور دوسری دلچسپیاں بھی روز افزوں تھیں۔ البتہ جب ڈاکٹر صاحب کا پروگرام ٹیلیویژن پر ختم ہوا تو ڈاکٹر صاحب ہر ماہ کراچی آنے لگے۔ ان کا پروگرام تاج محل ہوٹل میں ہوتا تھا۔ مجھے ایک صاحب نے توجہ دلائی اور اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں جو میں نے ڈاکٹر صاحب سے سورۂ صف، سورۂ جمعہ

اور سورۂ منافقون وغیرہ کے دروس سنے تو میں نے محسوس کیا کہ یہ تو بالکل نئی بات ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ 1986 کا رمضان آ گیا۔ رمضان کے شروع میں ایک مسجد کے باہر پوسٹر لگا دیکھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کا پہلا دورۂ ترجمہ قرآن ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں میں ناظم آباد ہی میں رہا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے فوراً وہاں جانا شروع کیا۔ تقریباً سارا رمضان ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گزارا سوائے چند دنوں کے جب مجھے باہر جانا پڑا تھا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب بالکل مختلف سوچ رکھتے ہیں۔ ان کا فکر کھل کر سامنے آیا۔ میں نے اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھا کہ ایک بڑے عالم سے براہ راست قرآن کو سننے کا موقع ملا۔ میرے دل کے نہاں خانوں میں جو چیزیں تھیں وہ کھل کر سامنے آ گئیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے اور اپنے خیالات میں بہت ہم آہنگی پائی۔ مخصوص مقامات پر ڈاکٹر صاحب جو باتیں ارشاد فرماتے تھے خصوصاً اشعار کے حوالے سے، دل فوراً لبیک کہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی باتیں میرے دل کو بہت اپیل کرتی تھیں۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اصل بات تو یہی ہے۔ رمضان کے آخری دنوں میں ڈاکٹر صاحب سے بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہو گیا۔

س: آپ انجمن خدام القرآن سندھ کے ایک سے زیادہ مرتبہ صدر رہے ہیں اور اس وقت بھی ہیں۔ آپ انجمن اور تنظیم کے درمیان ربط و تعلق اور حدِ فاصل کو کس طرح بیان کریں گے؟

ج: بڑا مشکل سوال ہے آپ کا۔ اصل میں جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ جو دعوت رجوع الی القرآن ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا تبلیغی اور تعلیمی پہلو ہے اور ایک اس کا عملی پہلو ہے۔ اس کا تبلیغی اور تعلیمی پہلو انجمن خدام القرآن کے ذیل میں آتا ہے اور اس کے نتیجے میں جو عملی تقاضے آتے ہیں وہ تنظیم اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو یہی ہے اور جو کوئی ربط ہے تو وہ بھی یہی ہے۔ ایک فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے اور اس فکر کو جو قبول کر لیں ان کو ایک منظم جماعت بنا کر اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد کرنی ہے اس کا نام تنظیم اسلامی ہے۔

س: آپ ایک مقامی تنظیم کے امیر بھی رہے ہیں۔ امارت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے آپ کی شخصیت پر یقیناً کچھ مثبت اور کچھ منفی اثرات پڑے ہوں گے۔ آپ کے تاثرات سے یقیناً ہمارے امراء کو استفادہ ہوگا۔

ج: جہاں تک تنظیم کی امارت کا تعلق ہے تو میرا تجربہ یہ ہے کہ جب تک کچھ لوگ اپنی زندگی کو اس اعلیٰ مقصد کے لئے وقف نہیں کریں گے، کام نہیں چلے گا۔ اس کے لئے کسی درجے میں کچھ جنون بھی چاہئے۔ صحیح جذبہ کے ساتھ کچھ عشق بھی۔ تحریکیں آگے بڑھتی ہیں جب کچھ لوگ اس مقصد کے لئے اپنی جانیں دینے کے جذبے کے ساتھ اس سے لگ جائیں۔ تنظیم کے ذمہ داران کے لئے تو میں یہی کہوں گا کہ ان کے اندر یہ کیفیت ہونی چاہئے۔ سرشاری کی کیفیت ہو۔ مقصد کے ساتھ لگن بھی۔ اس میں آپ کچھ جنون کو بھی شامل کر لیں۔ جب تک یہ کیفیت نہیں ہوگی بات آگے نہیں بڑھے گی۔ الحمدللہ، ہمارے ہاں کسی نہ کسی درجے میں یہ بات پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

س: آپ بحیثیت مدرس، دروسِ قرآن بھی دیتے رہے ہیں اور دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں میں مترجم کے فرائض بھی آپ نے انجام دیئے ہیں۔ آخر کیا بات ہے کہ قرآن کی تعلیمات کا مطلوبہ اثر عوام پر تو کجا، خود تحریک کے کارکنان میں کم کم نظر آتا ہے؟

ج: انجمن یا تنظیم کے حوالے سے major پروگرام رمضان میں ہوتے ہیں۔ رمضان میں یقیناً بڑا بابرکت ماحول ہوتا ہے۔ لوگوں کے پاس وقت ہوتا ہے۔ آ جاتے ہیں۔ لیکن سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں ہم ان کے اندر جذبہ محرکہ کو برقرار نہیں رکھ پاتے۔ اصل مسئلہ یہی ہے۔ ہم خود اپنے معاملات میں لگ جاتے ہیں۔ اپنے دھندوں اور کاروباری ذمہ داریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ معاملہ ذرا ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اصل مسئلہ یہی ہے۔ کسی بھی تحریک کو چلانے کے لئے جذبہ کو برقرار رکھنا۔ کسی کام کا آغاز کرنا تو بہت آسان ہے۔ رمضان کے جذبے کو سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں maintain رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ امراء کا یہی کام ہے کہ اس جذبے کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے کچھ لوگ اپنا career قربان کریں۔ دنیوی مفادات کو قربان کریں۔ اس مشن کو priority پر لے کر آئیں۔ تحریکی کارکنوں پر اثرات کے حوالے سے میں یہ عرض کروں گا کہ رمضان المبارک میں جو جذبہ ابھرتا ہے، وہ بعد میں برقرار نہیں رہتا۔ جیسے ہی رمضان کا بابرکت مہینہ گزرتا ہے ہم اپنے دھندوں سے لگ جاتے ہیں۔ عبادت رب کے حوالے سے ہم جس محبت کی بات کرتے ہیں۔ اگر آدمی میں کسی درجے میں بھی وہ عشق پیدا ہو جائے تو وہ اس کو بہت آگے لے جاتا ہے۔ لہٰذا کارکنوں کے اندر اللہ کی محبت کے نفوذ کا کچھ سامان ہونا چاہئے۔

س: اسلام کا "نشاۃ ثانیہ" میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے جو منصوبہ پیش کیا تھا اس میں قرآن یونیورسٹی کے مرحلے تک پہنچنا تھا۔ لاہور میں قرآن کالج چل تو رہا ہے لیکن مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے۔ انجمن خدام القرآن سندھ نے جو قرآن کالج قائم کیا تھا وہ اس شعر کا مصداق بن گیا کہ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

تو اس کی وجوہات آپ کے خیال میں کیا ہو سکتی ہیں؟

ج: اصل میں اندر قرآن کالج کا جو concept تھا تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت اچھا concept تھا لیکن وقت کے تقاضے کے مطابق نہیں تھا۔ ہمارے ہاں روایتی تعلیم، آرٹس، سائنس یا کامرس کا معاملہ ہے۔ ان کے ساتھ دینی تعلیم کا idea تو بہت اچھا ہے، لیکن ہمارے ہاں جو معاشی struggle کا معاملہ ہے، اس میں یہ فٹ نہیں ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم جو اس وقت کام کر رہے ہیں، وہی بہتر ہے۔ یہ جو ایک سالہ کورس ہے یا دیگر شارٹ کورسز ہیں ان میں عوام میں رغبت پیدا کر کے انہیں motivate کریں۔ یہ زیادہ effective ہے۔ البتہ جہاں تک قرآن یونیورسٹی کا تعلق ہے تو اس کے لئے اس ادارے کا قیام ہے، اس میں specialisation کی ڈگری ہے۔ ہم جس level پر کام کر رہے ہیں وہ بہت ہی basic level ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ عربی سیکھی جائے اور اس کے بعد قرآن حکیم کو سمجھا جائے، ہم اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ یونیورسٹی کی جو requirement ہے اس کے لئے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں، لوگ مختلف علوم میں پانچ پانچ سات سات سال لگاتے ہیں۔ کوئی فقہ کا علم حاصل کر رہا ہے تو کوئی اصول دین کا اور کوئی کسی field میں specialisaion کر رہا ہے تو یہ معاملہ ہمارے ہاں نہیں ہے، کیونکہ ہم simultaneously ایک تحریک بھی چلا رہے ہیں۔ اگر یہ خالص علمی معاملہ ہوتا تو شائد ہم اس میں ترقی کرتے۔ لیکن ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم ساتھ ساتھ ایک تحریک بھی چلا رہے ہیں۔ دونوں کے تقاضے بالکل مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بحیثیت صدر انجمن میں نے کالج کے منصوبے کو زیادہ encourage نہیں کیا۔ تحریکی اور نظریاتی سطح پر الحمدللہ کام ہو رہا ہے۔ اس کا موقع بھی ان شاء اللہ آئے گا۔ دوسرے تو کر رہے ہیں۔ دارالعلوم وغیرہ ہیں۔ ہندوستان میں بڑا اچھا کام ہو رہا ہے۔ ہمیں اپنی توجہ تحریک پر زیادہ رکھنی چاہئے۔ قرآن حکیم کی عوامی سطح پر تعلیم، نشر و اشاعت، یہ ہمارا focus رہنا چاہئے۔

س: اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت میں اتنی کشش رکھی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں تو یہ قول حقیقت پر مبنی قرار دیا جائے گا۔ ہم نے خود آپ کو مختلف مواقع پر یہ دیکھا ہے کہ آپ جہاں موجود ہوں، مرکزِ کشش (Centre of attraction) بن جاتے ہیں۔ پھر ایک صنعتکار کی حیثیت سے آپ کا میل جول معاشرہ کے مختلف طبقات سے رہا ہے۔ ہمارے معاشرے کے ذہین طبقے میں ہماری دعوت کو اب تک وہ پذیرائی نہیں ملی جس کی ہمیں توقع ہونی چاہئے۔ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

ج: مبالغہ بیان آمیز ہے۔ آپ مبالغے سے گریز کیجئے۔ بہر حال آپ نے میرے بارے میں جو کلمات فرمائے ہیں، یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ بہر حال اگر میں کسی درجے میں اسے قبول کر لوں تو یہ آپ لوگوں کی محبت کا نتیجہ ہے۔ یہ شائد دین سے ہماری محبت کا فیض ہے۔ البتہ جہاں تک کاروباری طبقے کا تعلق ہے، ان سے میرا ہمیشہ تعلق رہا ہے۔ fact یہ ہے کہ ہماری دعوت اس طبقے میں فی الحال اثر انداز تو نہیں ہوئی۔ لیکن ان کے علم میں ضرور ہے۔ میں اپنے حوالے سے تو جگر کا ایک شعر سنا سکتا ہوں

تیرے عشق کی کرامت یہ اگر نہیں تو کیا ہے
کبھی سے نہ گزرا میرے پاس سے زمانہ

سب جانتے ہیں کہ میرا تعلق تنظیم سے ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر

صاحب سے تعلق کا بھی انہیں علم ہے۔ ادب و احترام بھی کرتے ہیں۔ اس حوالے سے میری گفتگو میں legitimacy معتبر پن بھی آجاتا ہے۔ میں نے پوری کوشش کی کہ کسی درجے میں جو قرآن کی تعلیمات ہیں، ان کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کروں۔ اس میں وقت لگے گا۔ اس طرح کے cases کافی کم ہیں۔ جو زیادہ نمایاں ہوں گے تو ان شاء اللہ اس کا اثر پڑے گا۔ لوگ realise کر رہے ہیں کہ اسلام ایک پورا دین ہے۔ زندگی کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس میں معاشرتی پہلو بھی اور معاشی پہلو بھی ہے۔ فکری طور پر کافی حد تک لوگ سمجھ چکے ہیں کہ اس میں فلاح کا پہلو بہت ہے۔ دین کے مطابق کاروبار کرنے میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ لیکن ابھی ایمان کی بہت کمی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تشخیص بہت صحیح ہے۔ ایمان ہی پر اصل میں محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ ایمان کو حقیقی اور شعوری بنانے کے لئے۔ اس کے بعد کے مراحل ان شاء اللہ آسان ہو جائیں گے۔ یہ معاملہ ابھی طویل ہے۔ اس پر بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔

س: اب جبکہ تنظیم میں نوجوانوں کا رجوع ہمیشہ سے زیادہ ہو چکا ہے، ان کے استفادے کے لئے آپ اپنی زندگی کے تحریکی پہلو کے تجربات بیان فرمائیں؟

ج: میں تنظیم میں 35 سال کی عمر میں آیا تھا۔ اسے نوجوانی کا تو نہیں البتہ جوانی کا دور کہا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنا ذہن کشادہ رکھیں۔ تنظیم کے قرآنی فکر کو حرز جاں بنائیں۔ اس کے ساتھ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔ اردگرد کی جو تحریکیں ہیں، جہادی توجیہات کا جو معاملہ چل رہا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی میں جو نمایاں ترقی ہو رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ تاریخ کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ اس سے ان کے مشاہدے میں وسعت و گہرائی پیدا ہوگی۔ میں نوجوانوں سے یہ بات کہوں گا کہ انہوں نے جس فکر کو قبول کیا ہے، اس پر اپنے دل کو جمائیں اور جمائے رکھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی تعلیم، اپنا مطالعہ اور اپنے فکر کو جاری رکھیں خاص طور پر تاریخ کے مطالعے کو تاکہ ہمارا تعلق سلف سے قائم رہے۔ نوجوانوں کے پاس قوت کا بڑا خزانہ موجود ہے۔ اس کو درست ڈائرکشن میں لگائیں۔

س: بحیثیت ایک صنعت کار، آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آجر اور اجیر کے درمیان جس قسم کا تعلق ہمارے دین کو مطلوب ہے، اس تک پہنچنے میں کتنا عرصہ درکار ہوگا؟

ج: ہم اپنے ملک میں industrialisation کے اعتبار سے جس اسٹیج پر ہیں تو اس field میں سرمایہ دار اور ملازم میں کافی فرق ہے۔ البتہ ہماری سرکار نے کارکنوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو rules and regulations بنائے ہیں وہ بہت اچھے ہیں۔ لیکن اس کا benefit لیبر کو نہیں پہنچ رہا ہے۔ البتہ دینی اعتبار سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہیں۔ دونوں کے بغیر گاڑی نہیں چل سکتی۔ صنعتکار کو اپنے workers کی فلاح و بہبود، تعلیم و تربیت کو کماحقہ سمجھنا ضروری ہے اور اس کے لئے اس کے دل میں نرم گوشہ ہونا چاہئے۔ اور اسی طرح جو ہمارا مزدور طبقہ ہے، اسے بھی اس کا احساس ہونا چاہئے کہ ہر آدمی برابر نہیں ہوتا۔ یہ تقسیم اللہ تعالیٰ نے دنیا کے انتظامات کے لئے رکھی ہے۔ کوئی فیکٹری کا مالک ہے تو کوئی اس کا ملازم ہے۔ بجائے اس پر کڑھنے کے ہم یہ دیکھیں کہ ہم اپنی صلاحیتیں کس طرح لگا سکتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں trade unionism کافی leftist ہے۔ اس کی وجہ سے معاملہ کافی destructive رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ exploitative بھی۔ اس سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا ہے۔ ان کا رجحان ہڑتالوں پر زیادہ رہا ہے اور کام پر کم۔ اپنے حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد زیادہ اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائگی کا خیال کم ہے۔ جہاں balance رہا ہے، وہاں بڑے کامیاب نتائج رہے ہیں اور جہاں ایسا نہیں ہے وہاں مشکلات زیادہ درپیش ہیں۔ ہمارے ملک کے بیشتر حصے میں جاگیردارانہ ماحول ہے۔ جاگیردار تو اپنے مزارع کو انسان سمجھتا ہی نہیں۔ اسی کا کسی نہ کسی درجے میں influence ہے کہ جب وہ انڈسٹری میں آتا ہے تو یہی کام کرتا ہے۔ البتہ ہمارے ہاں اب جو تعلیم یافتہ صنعتی طبقہ ابھر رہا ہے، اس میں کسی درجے میں improvement ہے۔ مزدور کے جائز حقوق کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔

س: ماشاء اللہ، آپ کو دنیا بھر کی سیاحت کا تجربہ ہے۔ آپ نے دنیا کو نائن الیون کے سانحہ سے قبل بھی دیکھا ہے اور اس کے بعد آپ نے مختلف ممالک کے دورے کئے ہیں۔ اسلام کے بارے میں نائن الیون کے سانحے کے بعد رویوں میں جو تبدیلی ہوئی ہے، اس کی ذمہ داری آپ کے خیال میں کن کے کاندھوں پر عائد ہوتی ہے اور موجودہ صورتحال سے نمٹنے کے لئے آپ کے خیال میں کیا اقدامات درکار ہیں؟

ج: اصل میں نائن الیون سے پہلے جو دنیا کے معاملات تھے اس میں خاص طور پر اسلام کے معاشرتی اور معاشی تعلیمات پر west کے تحفظات تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان کا یہ تاثر تھا کہ اسلام بہت intolerant مذہب ہے جو دوسروں کی فکر کو accept نہیں کرتا۔ ان رجحانات کو اس سانحے سے بہت تقویت ملی۔ نائن الیون ایک ایسا سانحہ تھا کہ جس نے اس چیز کو انتہائی crystal form میں پیش کیا اور اس کے نتیجے میں آپ نے دیکھا جو تباہی مسلمانوں کی قسمت میں آئی۔ البتہ تاریخ کا اپنا ایک دھارا ہے۔ اس دوران یقیناً لوگ اسلام کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان اس طرح behave کر رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں کچھ لوگ اسلام کی طرف راغب بھی ہوئے۔ میرے علم میں یہ بات ہے کہ مغربی دنیا میں اسلام کی طرف لوگوں کی توجہ ایک علمی دلچسپی سے بڑھ کر کچھ عملی طور پر بھی آچکی ہے۔ لیکن ابھی بھی یہ بہت کم ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب کے بارے میں یقیناً زیادہ ہے۔ کیونکہ دوسرے مذاہب انسان کی deepest spiritual needs کو address نہیں کرتے۔ اسلام سب سے آخری مذہب ہے۔ اسے ماڈرن مذہب کہہ لیں۔ اس میں تمام اعتراضات کا اور لوگوں کے ذہنوں میں جو شکوک آتے ہیں ان کا جواب موجود ہے اور انسان کی deepest spiritual needs کی تسلی و تشفی کا سامان موجود ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو نو مسلم ہیں، بڑے پکے مسلمان ہیں۔ شعوری طور پر ایمان قبول کرتے ہیں اور اسلام کے تمام manners پر عمل کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑی خوش آئند بات ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ مغربی دنیا میں اسلام کے ذاتی معاملات کو study کیا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ جو اسلام کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ بھی یہ کر رہے ہیں۔ تعدد ازدواج کے معاملے میں بھی ان کے رویئے میں تبدیلی آرہی ہے۔ میں برمنگھم میں تھا تو ایک 35 سالہ انگریز خاتون کا میں نے انٹرویو پڑھا جس کو نائن الیون کے بعد اسلام سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس نے جاکر کیمبرج میں لیکچر سنا اور برضا و رغبت اسلام قبول کیا اور ایک مسلمان شخص کی دوسری بیوی بننا قبول کیا۔ نائن الیون کے بعد میں 5 ہفتہ انگلینڈ میں رہا۔ وہاں کے اخبارات اور دیگر میڈیا کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ وہ اسلام کو force recognise کر چکے ہیں۔ لیکن اسلام کے نظام کو وہ accept نہیں کرتے۔ اس میں معاشرتی نظام سود اور سٹہ وغیرہ جو مغربی نظام کی بنیاد ہیں، ان کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا وہ اس کے خلاف ہیں لیکن as a spiritual نظام وہ اپنے دل میں اس کی قدر کرتے ہیں۔ یہ بھی انسان کی بڑی بنیادی ضرورت ہے خاص طور پر سوشل معاملات میں۔ drugs, alcohol اور فیملی نظام کی تباہی کے بارے میں انہوں نے realise کیا ہے کہ اسلام کی تعلیمات ان معاملات کو حل کرنے میں بہت کامیاب ہے۔ البتہ ان ظالموں کی نظر اس سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے۔ ان کے ہاں جو معاشرتی اور سیاسی مسائل ہیں ان کا حل بھی اسلام میں موجود ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اب تک ہم نے دنیا کے سامنے اس کا کوئی عملی نمونہ پیش نہ کر سکے۔ اس لئے اب تک ساری باتیں theoretical ہے۔ جہاں کہیں دنیا میں ایک عملی اور کامیاب نمونہ آگیا، میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ ہمارے لئے آسان ہو جائے گا۔ جہاں تک ذمہ داری کا تعلق ہے، ہم پر بڑی ذمہ داری آگئی ہے کہ اسلام کی جو مکمل فکر ہمارے سامنے ہے اس کو بغیر کسی apologetic انداز کے پیش کریں۔ ہماری معاشرتی تعلیمات و احساسات کو وہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم apologetic معذرت خواہانہ انداز اختیار کر کے ہم اپنے دین کی بنیادی تعلیمات کو بھی dilute کرنے کی کوشش کریں، ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان تعلیمات سے چمٹ جائیں۔ ان کے ساتھ اپنا faith رکھیں اور ان کو کسی درجے میں implement کرنے کی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عام طور پر ہمارے ہاں جو شکوک و شبہات عائد کئے جاتے ہیں حدود وغیرہ کے حوالے سے وہ اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کئے جاتے ہیں، حالانکہ وہ ہمارے پورے social

package کا حصہ ہیں۔ جو معاشرتی تعلیمات ہیں ان کا محض ایک حصہ ہیں لیکن ان کو بدقسمتی سے زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے اور اسلام کا جو فلاحی و معاشرتی پہلو ہے ان کے فائدوں کو کم project کیا جاتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ان کا پرچار کریں۔ لیکن کام مسلسل کرنے کی ضرورت ہے۔

س: زندگی میں خوشی کے لمحات بھی آتے ہیں اور دکھ کے دور بھی۔ آپ اس وقت کینسر جیسے موذی مرض سے نبرد آزما ہیں۔ اس بیماری کے دوران بھی ہمیں آپ کی باغ و بہار شخصیت میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی جس سے باسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اچھی فائٹ دے رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ و عاجلہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ زندگی کے اس تجربے کو آپ کس طرح بیان کریں گے؟

ج: جی ہاں! یقیناً یہ میرے لئے ایک بہت ہی exceptional دور ہے۔ Initially تو کافی devastating تجربہ رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل رہا کہ جلد ہی یہ بات واضح ہوگئی کہ جو سورۃ حدید میں اللہ تعالیٰ نے فلسفہ بیان کیا ہے کہ ما اصاب من مصیبۃ الآخر۔ اس کے بعد میں مطمئن ہوگیا۔ یہ چیز جو آئی ہے خالص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس نے اس سے تمام شکوک وشبہات اور پریشانیوں سے نجات دے دی۔ اس کے بعد میں مطمئن ہوگیا کہ جو کچھ ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کو برداشت کرنا ہے اور آہ وفغاں بھی نہیں کرنی ہے۔ ہمارے دین کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ قیامت کے آثار ہیں اور آپ کھیت میں کسان ہیں۔ آپ کچھ بو رہے ہیں تو آپ کو حکم ہے کہ آپ بیج بوتے رہئے۔ وہ اللہ کے کام ہیں۔ آپ اپنا کام کیجئے۔ میں نے کسی درجے میں یہ نقطہ نظر اپنا لیا ہے کہ زندگی اور موت دینا اللہ کا کام ہے۔ بقیہ زندگی جو رہ گئی ہے دعا کرتا ہوں کہ اسے آخرت کے لئے توشہ بنانے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ اور جو اس کے negative تاثرات ہیں جو آتے ہیں انسان پر، کبھی کبھی مجھ پر بھی آتے ہیں بقول شاعر

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

لیکن اللہ کا شکر یہ کہ بزرگوں کی دعاؤں نے اور جس فکر سے ڈاکٹر صاحب نے ہمیں روشناس کرایا ہے اس نے حوصلہ دیا ہوا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قائم رکھے۔

س: آپ ہم سب کے مرشد ڈاکٹر اسرار احمد کو جنہیں چمنستان قرآن کا بلبل قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا اور جن کی نغمہ سرائی سے ایک عالم نہ صرف محظوظ ہو رہا ہے بلکہ اس ملکوتی فضا کے اثرات اپنی زندگیوں میں بھی محسوس کرتا ہے، کو کن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کریں گے؟

ج: اصل میں ڈاکٹر صاحب کی جو شخصیت ہے وہ اس حوالے سے بہت ہی معتبر ہے کہ جن میں اسلاف کی بہترین روایات بھی آپ کو ملتی ہیں اور ہماری جو جدید علوم ہیں ان کو grasp کرنے کی صلاحیت بھی ملتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ قرآن کو آج کے دور کے علم کلام کی سطح پر پیش کرنے میں تاکہ دین کو سمجھنے میں آسانی ہو، بہت ہی rare contribution ہے۔ شائد عالم اسلام میں اس کی مثال کم ہے۔ جو بات جو بہت متاثر کن ہے کہ ڈاکٹر صاحب basicallyi مجاہد آدمی ہیں۔ جس قدر جدوجہد انہوں نے کی ہے وہ ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے۔

س: آخر میں کوئی پیغام جو آپ اس تحریک کے وابستگان کو دینا چاہیں؟

ج: میرا مقام تو پیغام دینے کا نہیں ہے۔ میں ابھی اس level پر نہیں ہوں کہ کوئی پیغام دے سکوں۔ بہرحال رفقاء سے میری یہی گزارش ہے کہ اس کام میں لگے رہیں، جتے رہیں اپنی آخری سانس تک۔ نتائج کی پرواہ نہ کریں۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر ہم اپنے حصے کا کام کردیں تو ان شاء اللہ نتائج بھی ضرور نکلیں گے۔

مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی کی جانب سے پی ایچ اے لاہور کو لکھے گئے خط کے جواب میں ڈائریکٹر جنرل پی ایچ اے کی جانب سے اشتہاری کمپنیوں کو جاری ہونے والے خط کا عکس؛ جس میں انہیں بل بورڈز اور ہورڈنگز کے حوالے سے ایک ضابطہ اخلاق کا پابند کیا گیا ہے۔

OBSERVANCE OF LIMITS OF DECENCY IN OUTDOOR ADVERTISEMENT

Being a Muslim country and an eastern society, we have to be mindful of the limits of decency in our displays on publicity boards. More frequently than, not woman is depicted in displays and instances of violation of limits of decency in displays necessitate interference by the PHA.

Your attention is invited to the Indecent Advertisements Prohibition Act, 1963 which prohibits indecent advertisements which amount to any incentive, sensuality and excitement of impure thoughts in the mind of an ordinary man of normal temperament, and has the tendency to deprave and corrupt those whose minds are open to such immoral influence, and which are deemed to be detrimental to public morals and calculated to produce a pernicious effect, in depraving and debauching the minds of persons. The same law prescribes a sentence of imprisonment of six months or fine or both and sentence of one year imprisonment for subsequent offences besides confiscation of such publicity material.

The Parks & Horticulture Authority, Lahore expects that the limits of decency would be observed and transgressions avoided obviating the confiscation of such publicity material and invocation of the legal provisions.

With profound regards,

Shabbir Ahmad
Director General
Parks & Horticulture Authority Lahore

بانیٔ تنظیم اسلامی کا دورۂ پنڈی گھیب

بانی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد مورخہ 03 مارچ 2005ء کی صبح تقریباً 9 بجے پنڈی گھیب پہنچے۔ اُن کی آمد کا اہم مقصد قاضی ظہور حسین کی دختر کی تقریب نکاح میں شرکت تھی۔ صوبیدار (ر) محمد حیات صاحب کے صاحبزادے شکیل احمد (ملتزم رفیق) کی یہ شادی خانہ آبادی جامع مسجد اہل حدیث جامعہ اسلامیہ میں واقعہ گلزار آباد (پنڈی گھیب) میں منعقد کی گئی۔ شہر میں تقریباً 35 کلومیٹر کے علاقے تک 31 بینرز آویزاں کیے گئے تھے۔ 1500 پوسٹر چھپوائے گئے اور 1000 کے قریب دعوتی کارڈ پرنٹ کروائے گئے۔ جو کہ تقریباً 28 فروری تک متعلقہ افراد تک پہنچ چکے تھے۔ مسجد کے صحن کے علاوہ 300 اضافی نشستوں کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

بانی محترم جونہی اپنی کرسی پر براجمان ہوئے بارانِ رحمت کا نزول شروع ہوگیا' جس سے فوری طور پر تمام انتظامات کو مسجد کے اندر منتقل کرنا پڑا۔ رفقاء نے بڑی محنت و جفاکشی دکھائی' اور چند منٹوں میں مسجد کے اندر محفل سج گئی۔ تقریب کا آغاز نئے شامل ہونے والے قاری حافظ نعیم احمد کی تلاوت سے ہوا۔ بعدازاں دولہا میاں نے ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ بعدازاں ڈاکٹر صاحب نے شادی بیاہ کی رسومات اور اصلاحی تحریک کے موضوع پر خطاب فرمایا' آپ نے کہا کہ حضور ﷺ کی آمد کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کی گردنوں پر جو ناجائز رسومات کے بوجھ پڑ گئے تھے ان سے نجات دلائی جائے۔ لیکن ہم نے ہندوانہ تہذیب کے زیر اثر بہت سی رسومات کو اپنا لیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج ہم میں سے ہر ایک اس کا عہد کرے کہ وہ اس تقریب کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے گا' اور اس مصمم ارادے کے ساتھ یہاں سے اُٹھے گا کہ ایسے موقعوں پر وہ ہر اُس فعل کی حوصلہ شکنی کرے گا جو سنت کے مطابق نہ ہو۔

اس خطاب میں انہوں نے پانچ چیزوں کا ذکر کیا۔

1۔ خطبۂ نکاح ہمیشہ مسجد میں ہونا چاہیے۔

2۔ اس تقریب میں دلہن کی طرف سے کوئی دعوت نہیں ہے' بلکہ نکاح کے لیے چھوہارے یا کوئی چیز دولہا والے کر آتے ہیں۔

3۔ جہیز کا تصور غیر اسلامی ہے۔ چونکہ اسلام میں عورت کے لیے وراثت کا قانون موجود ہے' لہٰذا جہیز کی کوئی ضرورت نہیں۔

4۔ اسلام میں بارات کا کوئی تصور نہیں۔

5۔ دعوت ولیمہ دولہا والوں کے لیے حسب استطاعت ضروری ہے۔

بعدازاں بانی محترم نے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

اس تقریب میں تقریباً تمام مسالک کے علماء نے شرکت کی۔ فوجی فاؤنڈیشن سکول کے سربراہ' ڈگری کالج کے پرنسپل محبوب احمد صاحب' اساتذہ کرام اور دیگر معززین شہر اس تقریب میں شریک ہوئے۔ شرکاء کی کل تعداد 1000 مرد اور 500 خواتین کی تھی۔

جامع مسجد اہل حدیث میں نماز ظہر کا وقت 12 بج کر 35 منٹ تھا لیکن انہوں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تقریب کے اختتام پر تقریباً 1:30 پر نماز ادا کی۔

(رپورٹ: عبدالرحمان نوید' مقامی امیر)

تنظیم اسلامی حلقہ بہاولپور کا ماہانہ اجتماع

تنظیم اسلامی بہاولپور کا ماہانہ تنظیمی و تربیتی اجتماع 27 فروری بروز اتوار مسجد جامع القرآن مدینہ ٹاؤن میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ جناب ذوالفقار علی صاحب نے پروگرام کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ امیر حلقہ جناب محمد منیر احمد نے منتخب نصاب نمبر 2 کے درس نمبر 6 سورۃ الشوریٰ آیات 36 تا 43 کی روشنی میں اقامت دین کے مرحلے میں داخل ہونے والی جماعت کے اوصاف بیان فرمائے۔ انہوں نے کہا کہ اس مرحلے پر دنیا و مافیہا کی بے وقعتی تحریکی کارکن پر پوری طرح عیاں ہو۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہو' اسی پر توکل ہو۔ کبیرہ

گناہوں سے مکمل اجتناب اور فحاشی سے دور ہو' غصہ پر قابو پانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق اسی سے دعائیں اور اقامت صلوٰۃ کے اہتمام کے ساتھ جماعت کے اندر امرہم شوریٰ بینہم کا اہتمام ہو۔ رفقاء اپنی صلاحیتوں کو چاہے جسمانی ہوں یا مالی خرچ کرنے والے ہوں۔ صبر ان کی زندگی کا حصہ بن جائے وہ درگزر کرنے والے ہوں یہی ان کے پُرعزم ہونے کی نشانی ہے۔ اس کے بعد مختصر وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد نقیب اسرہ مروت جناب محمد ایوب نے تحریک اصلاح رسومات کے سلسلے میں کی گئی کاوشوں کا حال بیان کیا۔ اس کے بعد درس حدیث ہوا۔ مدرس جناب نثار احمد شفیق نے نہی عن المنکر کی اہمیت کو حدیث اور آیات کی مثالوں سے واضح کیا۔

آخر میں امیر حلقہ نے اختتامی گفتگو فرمائی۔ نماز ظہر اور دوپہر کے کھانے کے بعد رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

(رپورٹ: سجاد سرور)

مروت میں تحریک اصلاحِ رسوم

ڈاکٹر محمد رمضان صاحب رفیق تنظیم اسلامی ساکن مروت ایک اہم سیاسی شخصیت اور معاشی طور پر مستحکم گھرانے کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں عبدالغفار اور محمد آصف کی شادی اسلامی طریقہ سے کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان دونوں نکاحوں کے موقعوں پر تنظیم اسلامی کی دعوت بھی بھرپور طور پر لوگوں کے سامنے آجائے۔ گھر والوں اور برادری کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نے کامیاب جہاد کیا۔ 25 فروری بروز جمعہ مروت کی جامع مسجد میں راقم کے خطاب جمعہ کا موضوع نکاح اور اصلاحی تحریک تھا۔ 26 فروری بروز ہفتہ ڈاکٹر صاحب کے دوسرے بیٹے محمد آصف کا نکاح راقم نے فورٹ عباس مسجد دارالسلام میں پڑھایا۔ یہاں بھی نکاح سے پہلے خطاب ہوا۔ نہ کوئی بارات تھی' نہ جہیز اور نہ لڑکی والوں کی طرف سے دعوت طعام۔ تاہم ڈاکٹر صاحب کے تعلقات کے حوالے سے دونوں جگہوں پر اہم مقامی سرکاری ملازم اور کاروباری اور سیاسی لوگ موجود تھے ہمارے رفقاء کا تاثر تھا کہ یہ ہماری بڑی کامیابی ہے کہ ہم نے بھرپور طور پر اپنی دعوت ان دونوں شہروں میں پہنچادی ہے۔

(رپورٹ: محمد منیر احمد)

تنظیم اسلامی لاہور وسطی کا نصف روزہ تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی لاہور وسطی کا ماہانہ نصف روزہ تربیتی پروگرام حسب معمول مورخہ 27 فروری 2005ء بروز اتوار صبح 9:30 بجے بمقام 37۔ حق سٹریٹ' اردو بازار لاہور منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز درسِ قرآن سے ہوا۔ مدرس جناب شکیل احمد صاحب نے سورۃ الحدید کی تلاوت کا شرف حاصل کیا اور آیات بینات قرآنی کی تشریح کی اور موثر درس قرآن دیا۔ مقرر ثانی جناب خالد مختار صاحب نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' پر مبنی چہارم و پنجم حق علی الترتیب حکم واقامت اور تبلیغ وتبیین پر سیر حاصل گفتگو کی۔ نقیب امجد محمود صاحب نے طہارت کے حوالے سے نجاست کی اقسام پر فقہ اربع کی روشنی میں گفتگو کی۔ زاہد اسلم صاحب نے عبداللہ بن زبیرؓ کے فضائل و مناقب بیان کئے۔ راقم نے ندائے خلافت میں طبع شدہ نظم ''غیر مسلم کی فریاد مسلم قوم کے نام'' پڑھ کر سنائی۔ جناب نفیس احمد قصوری صاحب نے نماز میں احسان کی کیفیت اور خشوع وخضوع کے علاوہ یکسوئی حاصل کرنے کے لئے ذاتی تجربات پر مبنی دس ٹپس بیان کئے تاکہ سب رفقاء اُن سے خاطر خواہ مستفید ہوسکیں۔ طاہر اقبال صاحب نے عظمت صحابہؓ کے موضوع پر سورۃ الفتح اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں خلفائے راشدین ودیگر اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب بیان کئے۔ امیر محترم جناب مجیب الرحمٰن نے ندائے خلافت سے چیدہ چیدہ اقتباسات پڑھ کر سنائے تاکہ رفقاء میں ندائے خلافت کے ذوق کو فزوں تر کیا جائے۔ پروگرام کے آخری مقرر جناب نثار احمد خان نے ''حقیقت ذکر'' کے موضوع پر فرائض دینی کے جامع تصور اور بندگی کی عبادت رب کے مفہوم کو سورۃ احزاب اور دیگر قرآنی آیات کی روشنی میں اجاگر کیا۔ انہوں نے ذکر کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت بھی کی۔ موصوف نے مزید کہا کہ ہر عاقل اور ذی شعور انسان کو چاہئے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور عمل صالح کرتا رہے' کیونکہ تخلیقِ انسانی کی غرض و

غایت صرف اور صرف "بندگیٔ رب" سے مشروط ہے۔

اس نصف روزہ تربیتی پروگرام میں چالیس (40) رفقاء اور احباب نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ نماز ظہر کے بعد یہ تربیتی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (مرتب: عبدالرؤف)

تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے حلقہ خواتین کا درس قرآن

مورخہ 22 فروری بوقت چار بجے بیگم مجیب الرحمٰن نقیبہ وسطی کے گھر درس قرآن کا اہتمام کیا گیا۔ بنت مجیب الرحمان نے تلاوت سے آغاز کیا۔ رفیقہ بیگم کاشف نے ان آیات کا ترجمہ بیان کیا۔ محترمہ ناظمہ امت المغنی صاحبہ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 153 یعنی "مدد حاصل کرو نماز اور صبر سے" کے موضوع پر درس کا آغاز کیا۔ انہوں نے محرم کے مہینے کے بارے میں بتایا کہ محرم کے مہینے کو سوگ اور ماتم کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید وضاحت سے بتایا کہ شہادت امام حسینؓ کا واقعہ حضورﷺ کے وصال کے 61 سال بعد پیش آیا۔ جبکہ نبی اکرمﷺ کی زندگی میں حضرت حمزہؓ کو شہید کر کے اُن کی لاش کی بے حرمتی کی گئی لیکن حضورﷺ نے ان کے لئے کوئی سوگ منانے کو نہیں کہا۔ حضرت عثمانؓ کو جس طرح شہید کیا گیا، صحابہ کرامؓ نے ان کے لئے کوئی سوگ نہیں منایا۔ یہ یہودیوں کی ایک چال تھی کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے انہیں فرقوں میں بانٹا جائے۔ امتہ المغنی صاحبہ نے موضوع درس کے حوالے سے بتایا کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں لیکن نماز میں ہمیں کچھ پتا نہیں ہوتا کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں۔ نماز کہاں سے شروع کی اور کہاں پر ختم کی۔ نماز پڑھ کر ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور بے حیائی کے پروگرام دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہم نماز کے فوائد سے پوری طرح بہرہ ور نہیں ہو پاتے۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک گروہ ایسا ہوگا کہ قیامت کے روز میں ان سے منہ پھیر لوں گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اُس گروہ میں شامل نہ ہوں۔

درس کا اختتام اجتماعی دعا پر ہوا۔ بعد ازاں راقم نے ایک حدیث بیان کی۔ بیگم مجیب الرحمٰن نے بھی ایک حدیث بیان کی جس میں 9۔10 محرم کے دن روزے کی اہمیت بیان کی۔ اس پروگرام میں 40 خواتین نے شرکت کی۔ (رپورٹ: بیگم عظیم حیدر)

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام ماہانہ شب بسری

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام 26 فروری کو بعد نماز عصر الہدیٰ مسجد اپر ملک پورہ میں شب بسری کے پروگرام کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے دعوتی گشت کیا گیا اور قریبی گلیوں میں بعد نماز مغرب درس کی دعوت دی گئی۔ جناب عبدالرحمٰن رفیع صاحب نے "سورۃ الفاتحہ" کا درس دیا۔ قریباً 30 رفقاء و احباب درس میں شریک ہوئے۔ بعد ازاں امیر تنظیم اسلامی ایبٹ آباد ذوالفقار علی صاحب نے تربیت گاہ کے حوالے سے ہدایات دیں۔ ناظم تربیت نے رفقاء کو آیۂ بر مع ترجمہ حفظ کروائی۔ بعد نماز عشاء راقم نے عظمت قرآن پر درس دیا۔ اس میں تقریباً 20 رفقاء و احباب شریک ہوئے۔ کھانے سے پہلے عاصم رحمان نے کھانے کے آداب بیان کئے۔ طعام کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔ اگلی صبح رفقاء صبح سویرے بیدار ہوئے اور انفرادی نوافل ادا کئے جس کے بعد ناظم تربیت نے ایک حدیث مبارکہ یاد کروائی۔ نماز فجر کے بعد عبدالرحمٰن صاحب نے درس حدیث دیا۔ اور واضح کیا کہ موجودہ ذلت و رسوائی سے نکلنے کی صورت صرف یہی ہے کہ ہم قرآن سے جڑ جائیں۔ بعد ازاں نذیر صاحب نے سورۃ الدخان کے حوالے سے تذکیر فرمائی۔ سردار محمد ثاقب صاحب نے سورۃ نور کی آخری تین آیات کے حوالے سے "نظم جماعت کی اہمیت" کے موضوع پر مذاکرہ کروایا۔ ناظم تربیت نے حدیث "انما الاعمال بالنیات" کے حوالے سے گفتگو کی۔ فہم قرآن اور اسلامی معلومات کے حوالے سے ناظم تربیت نے رفقاء کے سامنے بہت سی معلومات رکھیں۔ اس کے بعد مشورہ سے اگلی شب بسری طے کی گئی۔ بعد ازاں ناشتہ پر امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ ایبٹ آباد کے متعلق مشورہ ہوا۔ مسنون دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ (مرتب: اسد قیوم)

اجلاس توسیعی مشاورت

رفقاء تنظیم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ توسیعی مشاورت کا ایک اجلاس ان شاء اللہ 12 ربیع الاول صبح 9 بجے دفتر تنظیم اسلامی، مکان نمبر 20، سلطان سٹریٹ نمبر 1 سابقہ پیرو دیول شریف فیض آباد ہاؤسنگ سوسائٹی نزد فلائی اوور برج 4/8-I، اسلام آباد۔ 44790 میں منعقد ہوگا۔

اس اجلاس میں حلقہ پنجاب شمالی، سرحد شمالی اور سرحد جنوبی سے تعلق رکھنے والے رفقاء تنظیم (مبتدی و ملتزم) شریک ہو سکیں گے۔

تنظیم کے دستور کے مطابق یہ اجلاس پورے دن پر محیط ہو سکتا ہے لیکن اس میں اظہار خیال کا حق صرف ان رفقاء کو ہوگا۔ جو اجلاس کے آغاز سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کی تاخیر سے پہنچ جائیں۔ لاہور کے علاوہ دیگر حلقہ جات سے تعلق رکھنے والے شرکاء اگر اپنی آمد کے بارے میں پہلے سے مطلع فرما دیں تو انتظامات میں سہولت رہے گی۔

شرکاء سے گزارش ہے کہ وہ آنے سے قبل تنظیم کے دستور کی دفعہ 7 (نظام مشاورت) خصوصاً اس کی شق ھ کا مطالعہ ضرور کر لیں۔

بیرون شہر اسلام آباد سے آنے والے رفقاء کے لیے طعام اور رات کے قیام کا انتظام ہوگا۔

المعلن: **معتمد عمومی**

تنظیم اسلامی پاکستان۔ فون: 6316638 6366638

پریس ریلیز

5 اپریل 2005ء

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے گوجرانوالہ میں مخلوط میراتھن ریس کے انعقاد کے موقع پر ہنگامے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ حکومت اور ایم ایم اے کی طرف سے متضاد بیانات آ رہے ہیں لیکن حکومتی اقدام اس اعتبار سے قابل مذمت ہے کہ حکومت عوامی جذبات کے برعکس کیوں ایسے غیر شرعی اور غیر اخلاقی پروگرام ترتیب دیتی اور ایسے کلچر کو پروان چڑھانے کی کوشش کر رہی ہے جو ہماری دینی تعلیمات اور مشرقی روایات کے برعکس ہے۔ ایسے پروگرام پاکستان کے غیور مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔ دوسری طرف ایم ایم اے کی قیادت سے بھی گزارش ہے کہ مختلف سیاسی سرگرمیوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے یکسو ہو کر پُر امن لیکن منظم طریقے پر اپنا اصل کام یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ایم ایم اے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر اپنی قوت صرف اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے وقف کر دے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

بقیہ: کیا آزادیٔ تحریر صرف میڈیا کا حق ہے؟

کے لئے اپنے اخبار میں آپ کے لئے ایک کالم بھی مختص کیا ہوا ہے اور اس کالم کے لئے آپ ہی کا منتخب کردہ نام بھی رکھ دیا۔

مضمون نگار: اپنی غلطی تو مجھے تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہو جایا کرتا ہے۔

☆☆☆

قارئین! اب آپ ہی بتائیں کہ بے چارہ مضمون نگار کہاں جائے' کیا کرے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ ہے۔ صرف اس ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

پریس کی آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ حکومت کے بلند بانگ دعوے ایک طرف اور پریس کے خلاف اس کے ہتھکنڈے ایک طرف۔ اخبار والوں کی محدودیتیں اور قارئین کی ناراضگی دوسری طرف' پھر بھلا یہ کیسی آزادی ہے؟ جس میں زبان بندی کے مختلف مظاہر بھی ساتھ ساتھ چل رہے ہوں۔

عالم اسلام کی خبریں

"بابری مسجد کی جگہ رام مندر"

حال ہی میں بھارت کی انتہا پسند جماعت بی جے پی کے سیکرٹری جنرل پرمود مہاجن نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کے سلسلے میں جماعت جلد ایک مہم چلانے والی ہے۔ انہوں نے اپنے دل کی بات بھی کہہ ہی دی "یہ ہمارا سب سے دلپسند خواب ہے جو اب تک عملی جامہ نہیں پہن سکا۔ ہمیں بہت افسوس ہے کہ ہم اب تک رام مندر نہیں بنا سکے"۔

کرغستان میں نئے دور کا آغاز

وسطی ایشیا کے ممالک میں کرغستان جغرافیائی طور پر اہم ملک ہے کیونکہ یہ اس راستے پر واقع ہے جہاں مستقبل میں گیس اور تیل کی بین الاقوامی پائپ لائنیں تعمیر ہونی ہیں۔ اس لئے عالمی طاقتیں چاہتی ہیں کہ وہاں ان کی "نمائندہ حکومت" امن و امان سے حکومت کرتی رہی۔ پچھلے ماہ کرغستان میں ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا جب حزب اختلاف نے صدر عسکر اکایوف کو ماسکو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اب یہ ڈرامہ اختتام پذیر ہو گیا ہے۔ وہ یوں کہ عسکر اکایوف نے استعفیٰ دے دیا۔ اس طرح 26 جون کو نئے صدارتی انتخابات ہونے کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔

دنیا کی دو بڑی طاقتوں امریکا اور روس نے کرغستان میں فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں اور دونوں باریک بینی سے نئی صورتِ حال کا جائزہ لے رہے ہیں۔ انہیں سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ یہاں کے باشندے دوبارہ اپنے دین سے واقف ہو رہے ہیں۔ وہ کمیونسٹ جامہ اتار کر اپنا حقیقی لباس پہننے میں مصروف ہیں اور دونوں عالمی طاقتیں اس بات سے خوش نہیں کیونکہ کرغستان میں صحیح اسلامی حکومت قائم ہو گی تو وہ اسے اپنے اشاروں پر نہیں چلا سکیں گے۔

پوپ جان پال کی وفات

پچھلے دنوں کیتھولک عیسائیوں کے رہنما پوپ جان پال دوئم فوت ہو گئے۔ ان کا تعلق پولینڈ سے تھا اور وہ 445 سال میں پاپائے اعظم بننے والے پہلے غیر اطالوی تھے۔ پوپ بن کر انہوں نے کئی رسومات کو توڑ ڈالا۔ اس دنیا کے تقریباً ہر ملک کا سفر کیا، پانچ کتابیں لکھیں اور مذہبی موسیقی کی سی ڈی تیار کروائی۔ لیکن ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عیسائیت اور اسلام کے مابین افہام و تفہیم کی فضا قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

جان پال دوئم پہلے پاپائے اعظم تھے جنہوں نے 2001ء میں شام کا دورہ کرتے ہوئے سرکاری طور پر ایک مسجد میں قدم رکھے۔ انہوں نے کئی بار عیسائی اور مسلم مذہبی رہنماؤں کو اکٹھا کیا تاکہ وہ مکالمہ اور گفتگو کے ذریعے اپنے اختلافات دور کر سکیں۔ 2003ء میں جب امریکا نے عراق پر حملہ کیا تو پوپ نے اس کی مخالفت کی تھی۔ پوری دنیا کے مسلمانوں نے ان کے اس اقدام کو سراہا۔

دنیا بھر کے مسلمان رہنماؤں نے پوپ جان پال کی وفات پر تعزیتی بیان جاری کئے ہیں۔ انہیں امید ہے کہ ان کا جانشین بھی اسلام اور عیسائیت کے درمیان مفاہمت بڑھانے کی سعی کرے گا تاکہ دنیا کے یہ دو بڑے مذاہب ایک دوسرے سے ٹکرانے کے بجائے انسانیت کی بھلائی کا مرکز بن جائیں۔

شام کی لبنان سے واپسی

شامی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ تیس اپریل تک ساری شامی فوج لبنان سے نکل جائے گی۔ شام نے لبنان کی خانہ جنگی (1975ء تا 1990ء) شروع ہوتے ہی انتیس برس قبل اپنی فوج لبنان میں داخل کر دی تھی تاکہ وہاں بڑھتے ہوئے اسرائیلی اثر و رسوخ کو روکا جا سکے۔ تب سے شامی فوج نے لبنان میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا اور ملک ایک بار پھر ترقی کی طرف گامزن ہو گیا۔

14 فروری کو جب سابق وزیر اعظم رفیق الحریری بم دھماکے میں ہلاک ہو گئے تو لبنانی حزب اختلاف نے الزام لگایا کہ یہ کارروائی شامی حکومت کی ایماء پر ہوئی ہے۔ یوں عالمی قوتوں کے ہاتھ بہانہ آ گیا اور انہوں نے شام پر زبردست دباؤ ڈالا کہ وہ لبنان سے اپنی فوج واپس بلا لے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شامی فوج کی واپسی کے بعد لبنان میں حالات کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔ ہماری دعا تو یہی ہے کہ یہ مسلمان ملک ترقی اور خوشحالی کی نئی راہوں پر چل پڑے۔

افغانستان میں حزب اختلاف کی تشکیل

افغانستان میں حزب اختلاف کی مختلف گیارہ جماعتوں نے ایک سیاسی اتحاد بنا لیا ہے تاکہ مشترکہ طور پر جدوجہد کی جا سکے۔ اس اتحاد کے نائب صدر شاہ احمد زئی ہیں جنہوں نے حالیہ افغان صدارتی انتخابات میں بھی حصہ لیا تھا۔ صدر کے لئے یونس قانونی کا نام لیا جا رہا ہے۔ کرزئی نے اس سیاسی اتحاد کا خیر مقدم کیا ہے۔ شاہ احمد زئی کے مطابق "اس اتحاد کا منصوبہ ہے کہ ملک میں قانون کی حکمرانی کو لاگو کیا جا سکے"۔ طالبان نے اس اتحاد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ان کی طاقت تقسیم کرنے کی سازش ہے۔

عراق کی تازہ صورت حال

عراقی قومی اسمبلی نے سنی رہنما حاجم الحسنی کو سپیکر منتخب کر لیا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے خوش خبری ہے جو عراق کو مستحکم ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب اس بات کا امکان بڑھ گیا ہے کہ عراق میں نئی حکومت جلد اپنا کام شروع کر دے گی۔ شیعہ رکن حسین الشہرستانی اور کرد رہنما عارف طیفور ڈپٹی اسپیکر منتخب ہوئے۔ 275 رکنی پارلیمنٹ کے اس اجلاس میں 241 ارکان شریک ہوئے۔ حاجم الحسنی نے 157 حسین الشہرستانی نے 157 اور دوسرے ڈپٹی اسپیکر عارف طیفور نے 96 ووٹ حاصل کئے۔

دوسری طرف عراق میں روزانہ امریکی اور اتحادی فوج پر قوم پرست حملے کر رہے ہیں اور روزانہ کئی افراد مارے جاتے ہیں۔ عراق میں جاری جنگ نے عراقی شہریوں خصوصاً بچوں کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے۔ صاف پانی اور عمدہ کھانا نہ ملنے کی وجہ سے عراقی بچوں میں کمزوری اور بیماریاں بڑھ گئی ہیں۔

اردن میں حکومت مستعفی

اردن کے وزیر اعظم فیصل الفیاض کی حکومت مستعفی ہو گئی ہے جبکہ شاہ عبداللہ نے عدنان بدران کو نئی حکومت کی تشکیل کے لئے وزیر اعظم نامزد کیا ہے۔ یو پی آئی کے مطابق فیصل الفیاض اور ان کی تمام کابینہ نے اپنے استعفیٰ شاہ عبداللہ کو پیش کر دیئے جبکہ حکومت آئندہ دو روز میں تشکیل دے دی جائے گی۔ نئے وزیر اعظم بدران مشی گن یونیورسٹی امریکہ سے فارغ التحصیل ہیں اور سابقہ نئی حکومتوں میں وزیر کے عہدہ پر کام کر چکے ہیں۔

ایران کی ایٹمی سرگرمیاں

ایران کے صدر محمد خاتمی نے کہا ہے کہ ان کا ملک ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال کو ترک کرنے سے اتفاق نہیں کر سکتا اور وہ ایٹمی سرگرمیاں دوبارہ شروع کرنے کے اپنے حق پر قائم ہے۔ ایران اپنے ایٹمی پروگرام کے مسئلہ کے کسی بھی معقول حل پر غور کرنے پر تیار ہے لیکن ہم اپنی ایٹمی سرگرمیاں مکمل طور پر بند کرنے کے مطالبہ کو مسترد کرتے ہیں۔ صدر محمد خاتمی نے کہا انہیں توقع ہے کہ مسئلہ پُرامن طور پر حل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ہمیں ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال سے روکنے کے لئے ہم پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی تو یہ بات ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہو گی۔ ایران کے صدر محمد خاتمی نے کہا کہ امریکہ ایران کے پُرامن ایٹمی پروگرام کی مخالفت ختم کرے۔ عراق میں امریکی فوجیوں کی ہلاکتوں پر پہلی مرتبہ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے محمد خاتمی نے کہا کہ عراق میں جاری تشدد سے مقامی آبادی کے ساتھ امریکی فوجی بھی نشانہ بنتے رہتے ہیں۔

To make the waters muddy for the Taliban, the bombings in Africa and Yemen were blamed on Osama Bin Laden, despite his clear statements that he has nothing to do with any of these terrorist acts.[53] In preparation for dislodging the Taliban, the US pressed the UN into imposing sanction on the Taliban government. It prevented Western firms from investing in Afghanistan. Islamophobes won their campaign and the corporate terrorists had to abandon their hopes of succeeding in courting the Taliban.

One of the reasons for this certainly appears to be the fact that the Taliban failed to play the US-friendly role of a "servile government". The US administration was hoping to bring another Saudi Arabia or Kuwait into being where it has unfettered access to their policies and resources. As Ahmed Rashid points out, "The UNOCAL project was based on the premise that the Taliban were going to conquer Afghanistan. This premise was fed to them by various countries like Saudi Arabia, Pakistan and elements within the US administration. Essentially it was a premise that was very wrong, because it was based on conquest, and would therefore make it absolutely certain that not only would they not be able to build the pipeline, but they would never be able to have that kind of security in order to build the pipeline."[54]

The same is more true today than at the time of the Taliban. The US believe to have conquered Afghanistan and the situation is favorable to launch the projects in waiting for years. In fact, the question is: For how long can the US protect an imposed regime and for long can it stay to control Afghanistan.

Compared to the present puppet regime, the Taliban proved very good at maintaining order in the country and providing security. However, three factors made them untouchables in the end:

1. Their refusal to act like subservient Karzai, Musharraf or many other Arab sheiks and kings;

2. Their working towards transforming Afghanistan into an Islamic State and the Islamophobes obsession with bringing that government down, and

3. the fear that Osama's fatwa of Jihad against the US has created in the hearts and minds of the terrorists in Washington.

In the later days, the Taliban went to the extent of keeping Osama and his colleagues under tight surveillance. The Taliban took all communication equipments from Arabs and they were the ones who banned journalists from seeing Osama – particularly if they had equipment for recording his statements. Contrary to the common perception that Arabs were directing the Taliban, according to Aymen Al-Zawaheri, the Taliban would not respond to any of their suggestions, let alone obeying them. According to Aymen Al-Zawaheri, "The Taliban just laugh at our suggestions, and do not even bother to respond."

With all these friendly overtures on the part of the Taliban, which could in no way meant total surrender like any other Middle Eastern Kingdoms and sheikhdoms or the "democratic" regime in Pakistan. In the meanwhile, Islamophobes had taken the anti-Taliban campaign to new limits. The US administration has thus no option but to begin considering the Taliban as a fundamental obstacle to US interests by 1999. Due to these developments, US policy toward the Taliban took an about-turn.

Notes________________

[48] "War on Afghanistan: The Warlords and Foot Soldiers," People's March, Volume 2, No. 12, December 2001. http://www.peoplesmarch.com/archives/2001/dec2k1/warloards.htm

[49] Ahmed Rashid, "Kabul Neighbours up to old tricks," The Age, February 11, 2003. http://www.theage.com.au/articles/2003/02/10/1044725732734.html?oneclick=true

[50] Statement of Congressman Dana Rohrabacher, US Policy Toward Afghanistan, Senate Foreign Relations Subcommittee on South Asia, 14 April 1999.

[51] See details: http://www.icssa.org/ICSS%20-%20Themes_afghanistan_lMusharraf_to_Mulla.htm

[52] Ali, Noor, US-UN Conspiracy Against the People of Afghanistan, Online Center for Afghan Studies, 21 February 1998.

[53] See Osama's interview and other analysis on this link: http://finance.groups.yahoo.com/group/InfoTimes/message/1133

[54] Interview with Ahmed Rashid by Omar Samad, Azadi Afghan Radio, op. cit.

اُن کی نصرت کا وعدہ ہے قرآن میں

از: نیر مشہدی

جن کو احکامِ قرآن کا پاس ہو
ظلم سے آشنا زندگی راس ہو
جن کے سینوں میں قرآں کی بو باس ہو
ان کی نصرت کا وعدہ ہے قرآن میں

جو اخوت مروّت کی تصویر ہوں
اپنے قائد کے خوابوں کی تعبیر ہوں
متحد متفق مثلِ زنجیر ہوں
ان کی نصرت کا وعدہ ہے قرآن میں

زندگانی کی راہوں میں ہر موڑ پر
ہو خدا کی رضا جن کے پیشِ نظر
عزم و علم و عمل ہر گھڑی ہم سفر
ان کی نصرت کا وعدہ ہے قرآن میں

جن کے شفاف دل آئینہ کی طرح
جن کے چہرے منور ضیا کی طرح
شفقتوں کا تاثر دوا کی طرح
ان کی نصرت کا وعدہ ہے قرآن میں

جن کی نظریں نہ دھندلائے ذودِ ہوس
قند سے بڑھ کے جن کی زبانوں میں رس
بغض و کینہ کی جن تک نہیں دسترس
ان کی نصرت کا وعدہ ہے قرآن میں

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 12

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

Afghanistan: Legitimacy of the US occupation IV

As far the Russia's interest is concerned, it is the same as the US. Russia was also supported by India for the same reason of natural resources. A writer for the Voices of Indian Revolution writes: "When the govt. is unwilling to grant even a few paisa to the drought affected in India, it is willing to grant a huge amount for Afghanistan's "rehabilitation". Why? The answer is simple : the entire efforts are to serve Indian Big Business, and particularly Reliance, who will gain the maximum from a friendly govt. in Afghanistan; due to a pipeline that could bring Central Asian Oil & Gas to Reliance's giant petro-chemical complex on the Gujarat coast at Jamnagar!!!"[48]

The extent of Russian interest can be judged from its continued support to Northern Alliance, despite the US and NATO presence in Afghanistan and despite US objections. Ahmed Rashid reports: "Russia backed the former Northern Alliance during that time and is continuing to support the army of the powerful alliance leader, General Mohammed Fahim, who is now the Afghan Defence Minister....Quietly, American officials have asked Moscow to stop the flow of arms." [49] One can imagine the extent of Russian assistance to Northern alliance in the absence of US and NATO forces, and in the absence of military satellites and surveillance drone at the time of the Taliban.

Coming to point (b) mentioned above, Islamophobes' concerns and strategic and economic interests have evidently far outweighed America's professed humanitarian benevolence. In 1999, the plans to cajole, purchase or persuade the Taliban and laying the oil and gas pipelines were put on hold, not because of the humanitarian concerns but because of the fear of attacks on American interests in Afghanistan, which resulted after Osama's fatwa of Jihad against the United States.

Control of Afghanistan remained a top priority without any concern of human rights abuse and irrespective of who is in power in Kabul. In this regard, the authoritative testimony of US Congressman Dana Rohrabacher concerning American policy toward Afghanistan make much sense.

Rohrabacher has been involved with Afghanistan since the early 1980s when he worked in the White House as Special Assistant to then US President Ronald Reagan, and a Senior Member of the US House International Relations Committee in Bush-II administration. Since 1988 he traveled to Afghanistan as a member of the US Congress with mujahideen fighters and participated in the battle of Jalalabhad against the Soviets.

Dana Rohrabacher has testified as follows: "Having been closely involved in US policy toward Afghanistan for some twenty years, I have called into question whether or not this administration has a covert policy that has empowered the Taliban." After documenting a large number of factors indicating tacit US support of the Taliban, Rohrabacher concludes: "I am making the claim that there is and has been a covert policy by this administration to support the Taliban movement's control of Afghanistan...There can only be two explanations. Either the State Department is totally incompetent, or there is an ongoing cover-up of the State Department's true fundamental policy toward Afghanistan."[50]

It is correct to conclude that by its covert policy the US was making an all out effort to make Afghanistan a satellite state like Egypt and Pakistan. However, it is naïve to assume that the US was attempting to make Afghanistan a protectorate of an unpredictable Pakistan. In the end it realized that it can never achieve its aim without a direct occupation and that is why the US is there busy in consolidating a long lasting puppet regime.

Of course the US Administration has as usual ignored the very objectives of Afghans themselves. Even today, the US has disregarded the aspirations of the Afghan masses just the way it did during the Soviet occupation, during the civil war afterwards, and during the Taliban's rule.

Some Afghans are supporting the Karzai regime for the reason that they believe Pakistan has exploited Afghanistan towards its advantage during the rule of the Taliban. Pakistan initially supported the Taliban for the United States and later on considered them the only legitimate alternative to the war lord and anti-Pakistan elements in the form of Northern alliance.

It however, doesn't mean that the US also wanted to reward Pakistan in authorizing it to control Afghanistan as suzerain through war lords. There is no basis to such claims. After failure in turning the Taliban into a puppet regime, the US forced Pakistan in many ways to discontinue a policy that initially came from Washington. Musharraf started following the US dictates early on after his coup. In October 1999, he overthrow an elected government and four months later he was lecturing the Taliban to form a broad based government: "Musharraf tells Mulla Rabbani-led team: Resolve Osama issue, Form broad-based government." (The Frontier Post, February 02, 2000.)[51]

The ties, nevertheless, were gone so deep that Pakistan could not extricate itself until the US government could come up with the staged event like 9/11. At this time, the timid "commando," had no option but to follow the script and toe the line already drawn for him. He joined hands in the already planned invasion and occupation of Afghanistan.

Dr. Ali Noor's assessment and prediction has proved right. He wrote in 1998: "The US Government, in complicity with its regional allies, and for want of anything better, is trying to put therein a servile government of its own choice so as to possess the necessary leverage to influence the overall politics and economics of the region in accordance with its imperialistic objectives. Pending the identification and installation of such a government the country has to endure the state of anarchy and instability accordingly."[52] Today, we see that servile government well in place, at least as long as its head, the former CIA agent, Karzai, is guarded by the American troops on his throne.